BROWN
BOOK ONLY

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222741
UNIVERSAL
LIBRARY

کتب خانہ
952
حیدرآباد

مثنوی گلزار نسیم

برائے خرم

ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز و بکسیلرز و پروپرائٹرز

دین محمدی الیکٹرک پریس کشمیری بازار، بل روڈ لاہور

باہتمام ملک محمد عارف پرنٹر دین محمدی الیکٹرک پریس بالمقابل
سرکلر روڈ لاہور سے طبع کرا کر سنہ ۱۹۴۰ء میں
ملک دین محمد نے کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری
ثمرہ ہے قلم کا حمد باری
کرتا ہے یہ دو زباں سے یکسر
حمد حق و مدحت پیمبر
پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے
یعنی کہ مطیع پنج تن ہے
ختم اس پہ ہوئی سخن پرستی
کرتا ہے زبان کی پیش دستی
. . . .

خواستگاری جناب باری سے مثنوی گلزار نسیم کی ترتیب کے واسطے

یارب میرے خامے کو زباں دے
منقار ہزار داستاں دے
افسانۂ گل بکاؤلی کا
افسون ہو بہار عاشقی کا
ہر چند سنا گیا ہے اس کو
اردو کی زباں میں سخن گو
وہ نثر ہے داد نظم دو میں
اس مے کو دو آتشہ کرو میں
ہر چند اگلے جو اہل فن تھے
سلطان قلم و سخن تھے
آگے اِن کے فروغ پانا
سورج کو چراغ ہے دکھایا
پر بحر سخن سدا ہے باقی
دریا نہیں کاربند ساقی
طعنے سے زبان نکتہ چیں روک
رکھ لے مرے اہل خامہ میں نوک
خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر
نیرنگ نسیم باغ کشمیر
نقطے ہوں سپند خوش بیانی
جدول ہو حصار سحر خوانی
جو نکتہ لکھوں کہیں نہ حرف آئے
مرکز پہ کشش مرے پہنچ جائے
. . . .

داستان تاج الملوک شاہزادہ اور زین الملوک بادشاہ مشرق کی

روداد زبان پاستانی
یوں نقل ہے خامے کی زبانی
پورب میں ایک تھا شہنشاہ
سلطان زین الملوک ذی جاہ
لشکر کش و تاجدار تھا وہ
دشمن کش و شہریار تھا وہ
خالق نے دیے تھے چار فرزند
دانا عاقل زکی خردمند
نقشہ ایک اور نے جمایا
پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا
امید کے نخل نے دیا بار
خورشید حمل ہوا نمودار
وہ نور کہ صدقے مہر انور
وہ رخ کہ ٹھیرے آنکھ جس پر
نور آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو
چشمک تھی نصیب اس پدر کو
خوش ہوتے ہی طفل مہ جبیں سے
ثابت یہ ہوا ستارہ بیں سے
پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھا اسکو
پھر دیکھ نہ سکے گا کسی کو
نظروں سے گرا وہ طفل ابتر

مانند سرشک دیدۂ تر
پردے سے نہ دایہ نے نکالا
پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا

تھا افسر خسرواں وہ گلفام
مانند نظر رواں ہوا وہ
ضاد آنکھوں کی دیکھ کر لپک کی
کی نور بصر نے چشم پوشی
ہرچند کہ بادشاہ نے ٹالا
خارج ہوا نور دیدۂ کور
تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور
مختار ہے جسطرح بنائے

پالا تاج الملوک رکھ نام
آتا تھا شکارگاہ سے شاہ
بینائی کے چہرہ پر نظر کی
دی آنکھ جو شہ نے رونمائی
اوس ماہ کو شہر سے نکالا
آیا کوئی لے کے نسخۂ نور
بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور
. . . .

جب نام خدا جوان ہوا وہ
نظارہ کیا پدر نے ناگاہ
مہر لب سے ہوئی خموشی
چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی
گھر گھر یہی ذکر تھا یہی شور
لایا کوئی جا کے سرمہ طور
ہوتا ہے وہی خدا جو چاہے
. . . .

جانا چاروں شاہزادوں کا یہ تجویز کحال تلاش گل بکاولی کو

پایا جو سفید چشم صفحا
عیسے کی تھیں اُسنے آنکھیں دیکھیں
ہے باغ بکاولی میں ایک گل

یوں میل قلم نے سرمہ کھینچا
وہ مرد خدا بہت کراہا
پلکوں سے لے دسی پہ پارچہ گل

تھا اک کحال پیر دیریں
سلطان سے ملا کہا کہ شاہا
خورشید میں یہ ضیا کرن کی

ہے دہر گیا اوسے چمن کی !
شاہزادے ہوئے وہ چاروں تیار
لشکر اسباب خیمہ خرگاہ
میدان میں خاک اڑا رہا تھا
جانتے ہو کہ ہر کو صورت بیل
سلطان زین الملوک شہ زور
مطلوب گل بکاولی سے ہے
ہمراہ کسی لشکری کے ہو کر

اوس نے تو گل ارم نہ پایا
رخصت کئے شہ نے چاروں ناچار
وہ بادیہ گرد خانہ برباد
دیکھا تو وہ لشکر آ رہا تھا
بولا لشکر کا اک سپاہی
بیدار پسر سے ہو ہو کنار
گل کی جو خبر سنائی اسکو
قسمت پہ چلا یہ نیک اختر

لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا
شاہانہ چلے وہ بیکر ہمراہ
یعنے تاج الملوک ناشاد
پوچھا تم لوگ خیل کے خیل
جاتی ہے ارم کو فوج شاہی
منظور علاج روشنی ہے
گلشن کی ہوا سمائی اسکو !

غلام ہونا چاروں شاہزادوں کا چوسر کھیل کر دلبر بیسوا سے

نقطوں سے قلم کی مہرہ بازی
صحرا صحرا وہ کوہ ارم کو
وارد ہوئے اک جگہ سر شام
ٹھٹکے سیارے کہکشان پر
دلبر نامی ایک بیسوا تھی
نقارا چوبدار در تھا
آواز پہ اوہ لگی ہوئی تھی
باہر سے اسے لگا کے لاتی
جیت اسکی تھی ہاتھ جو کچھ آتا
چوہا پاسے کا پاسبان تھا
جیتے ہوئے بندے تھے ہزاروں

یوں لائی رنگ بد طرازی
بلبل ہوئی سب ہزاری سے
فردوس تھا اس مقام کا نام
اک باغ تھا نہر کے کنارے
اس ماہ کی واں محلسرا تھی
بیجا و بجا نہ سمجھے انسان
آپ آن کی ٹھاٹ دیکھتی تھی
بیٹھلا کے جوئے کا ذکر اٹھا کر
اس کا کوئی ہتھکنڈا نہ پاتا
اولانی اڑی پہ قسمت آسا
قسمت نے پھنسائے یہ بھی چاروں

یکچند پھرا کیا وہ انبوہ
گل کا نہ پتا لگا کسی سے
اک نہر تھی شہر کے برابر
جویائے گل اس طرف سدھارے
دروازے سے فاصلہ پہ گھر تھا
نقارہ بجا کے ٹھیرے نادان
جس شخص کو مالدار پاتی
چوسر میں وہ لوٹتی سراسر
بلی کا جو سر چراغان تھا
بلی جو دیا تو موش باسا
صیاد نے لائی پھانس کر صید

کرسی پہ بٹھائے نقش امید
رنگ اس کا جما تو لا کے چوسر
بازی چوسر کی کھیل سمجھے
بدبختی سے آخری جو اتھا
پنجے میں پھنسے تو چھکے چھوٹے
زندان کو چلے مچل مچل کر
پانی سا پھرا نہ جانب نہر

گھاتیں ہوئیں دلبرا ہٹوں کی
کھیلی وہ کھلاڑ بازی بدکر
امروز تھی مال و زر پہ کھیلے
بندہ ہونا بدا ہوا تھا
ایک ایک سے رات بھر نہ چھوٹا
زردوں کیطرح پھرے نہ چل کر
. . . .

باتیں ہوئیں آشنا ہٹوں کی
وہ چھوٹ پہ تھی یہ میل سمجھے
سامان ہارے تو سر پہ کھیلے
دو ہاتھ میں چاروں اسنے لوٹے
پو پھٹتے ہی جگ ان کا لوٹا
لشکر میں سے جو گیا سوئے شہر
. . . .

جیتنا تاج الملوک کا دلبر بیسوا کو اور چھوڑ کر روانہ ہونا تلاش گل بکاولی میں

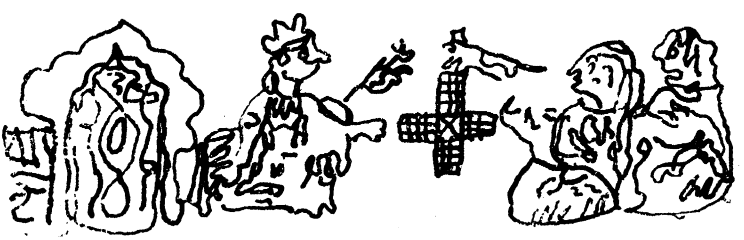

لانا زر گل جو ہے ارم سے
یعنے تاج الملوک ابتر
اٹھا کر خیر تو لیجے چل کر
نکلی اندر سے ایک دایہ
بولی کہ وہ نام کیا ہے تیرا
طفلی میں ہوا ہوں خانہ برباد
بیٹا وہ سمجھ کے جی سے اسکو
ایک ایک کی کر رہا تھا خواری
ذکر اپنے برادروں کا سن کر
شہزادوں کو جس نے زچ کیا ہے
بلی پہ چراغ رکھ کے سب کو
وہ بلی کے سر پہ جو ہے کی ہاتھ

یوں صفحے پہ نقش ہے قلم سی
حیران ہوا کہ یا الٰہی
گذرا در باغ بیسوا پر
لڑکا کوئی کھو گیا تھا اُس کا
فرزند اسی شکل کا تھا میرا
لیکن یہ میں جانتا ہوں دلگیر
گھر لائی ہنستی خوشی ہی اسکو
کہتے تھے فریب دو گی یا تم
بولا وہ عزیز سن تو مادر
بولی وہ کہ ہاں جو آہے بدکام
چوسر میں وہ لوٹتی ہے سب کو
شہزادی کہیں کی تھی بد اقبال

وہ ریگ رواں کا گرد لشکر
لشکر پہ یہ کیا پڑی تباہی
حیران تھا یہ بلند پایہ
ہم شکل یہ مہ تھا اس کا
بولا وہ کہ نام تو نہیں یاد
مادر تھی مری بھی ایسی ہی پیر
جاتی تھی ادھر سے دو جواری
شہزادے سے ہم نہ بیسوا تم
کون ایسی کھلاڑ بیسوا ہے
دلبر ایک بیسوا ہے خود کام
پلے کی ہے کل چراغ کیساتھ
بندے ہوئے ہار کر نذر وال

بھائی تھے جوش زن کہاں جائے
سوجھا نہ اُنہیں یہ دیکھو اندھیر
اک بلی جھپٹی چوہے کو بھانپ
نیولا پکڑ آستین میں پالا
اک روز اُسے مل گیا امیر ایک
بخشا اُسے اسپ جامہ و زیور
ملتی تھی کھلاڑ ڈنکے کی چوٹ
ہمراہ اُسے لیکے اندر آئی
وہ چشم و چراغ بیسوا کے
چٹکی کے بجاتے ہی وہیں تھے
ہنس ہنس کے حریف کو رلایا
بے خضر تے غو لسے چراغی
سب ہار کے نقد و جنس بارے
تب خود وہ کھلاڑ ٹھہری آئی
پاسے کی بدی ہے آسکارہ
شادی کا مزا انکال رہیئے
لونڈی ہوں نہیں مدول مجھ کو
نقارہ در کو چوب سے دوڑ
بالفعل ارم کو جاتے ہیں ہم
گلزار ارم ہے پریوں کا گھر
شہزادہ ہنسا کہا کہ دلبر
ہے چشم پری میں جا مردم
دولت تھی اگرچہ اختیاری
جز سایہ نہ کوئی بھی لیا ساتھ

صدمہ ہوا درد سے کہا ہائے
سوچا وہ کہ اب تو ہم ہیں آگاہ
نیولے نے بھگا دیا دکھا نیش
چوسری کے سیکھنے کو یکسر
وہ صاحب جاہ دل سے تھے تنگ
اوس گل کے جو ہاتھ میں زر آیا
نقارہ و چوب میں چلی چوٹ
کام اُس کا تھا بسکہ کھیل کھانا
کرنے لگے تاک جھاک آ کے
بلی تو چراغ پا تھی خاموش
مانند سہا اُسے چلا یا
پاسے چلی نہ چغل سازی
جیتتے ہوئے ہندی بد کی ہارے
پھر پاسے نے کی نہ پاسداری
راجہ نل سلطنت ہے ہارا
بولی بہزار عجز و زاری
خدمت میں کرو قبول مجھکو
یہ مال یہ زر یہ جتنے بندے
انشاء اللہ آتے ہیں ہم
انساں و پری کا سامنا کیا
کچھ بات نہیں جو رکھیئے دلپر
یہ کہہ کے اُٹھا کہا کہ لو جان
یا مردمی سے اِس پہ لات ماری
درویش تھا بندۂ خدا وہ

پاسے کا چراغ کا اُلٹ پھیر
جیتے ہیں تو جیت لینگے ناگاہ
سمجھا وہ کہ ہے شگون نرالا
گھو مادہ برنگ زرد گھر گھر
اشراف سمجھ کے لیگیا گھر
جانبازی کو سوئے دلبر آیا
آوازہ وہ سن کے در پہ آئی
چوسر کا جما وہ کارخانہ
نیولا کہ وہ مار آستین تھا
بل ہو گیا موش کو فراموش
بارے بہزار بد دماغی
اُجڑی وہ بسا بسا کے بازی
بنیاد جو کچھ تھی جب گنوائی
ہمت کیطرح وہ دل سے ہاری
سوچی یہ کہ اب بھی چال ہیئے
تم جیتتے میاں میں تم سے ہاری
بولا وہ کہ سن یہ ہتھکنڈے چھوڑ
یونہی یہیں رکھ تجبس خندی
بولی وہ سنو تو بندہ پرور
مٹھی میں ہوا کا تھا منا کیا
انسان کی عقل اگر نہ ہو گم
جاتے ہیں کہا خدا نگہبان
جز جیب نہ مال پہ پڑا ہاتھ
اللہ کے نام پہ چلا وہ

پہنچنا تاج الملوک کا سرنگ کھود کر باغ بکاولی میں اور گل لے کر پھرنا

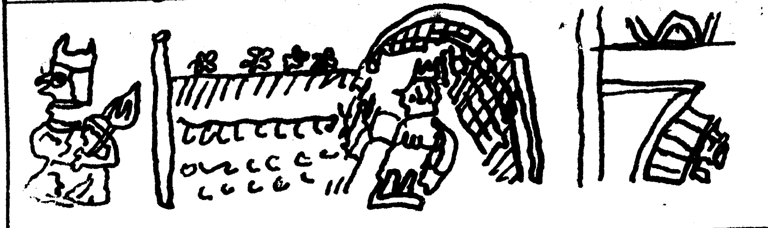

کرتا ہے جو طے سواد نامہ
یوں حرف ہیں نقش پائے خامہ
وہ دامن دشت شوق کا خار
یعنی تاج الملوک دل زار
اک جنگلے میں جا پڑا جہاں گرد
صحرائے عدم بھی تھا جہاں گرد
سائے کو پتہ نہ تھا شجر کا
عنقا تھا نام جانور کا
مرغان ہوا تھے ہوش راہی
نقش کف پا تھے ریگ ماہی
وہ دشت کہ جس میں تک و دو
یا ریگ رواں تھی یا وہ رہرو
ڈنڈا تھا ارم کے بادشاہ کا
ایک دیو تھا پاسبان بلا کا
دانت اسکے گورکن قضا کے
دو تھے رہ عدم کے ناکے
سر پر پایا بلا کو اس نے
تسلیم کیا قضا کو اس نے
بھوکا کئی دن کا تھا وہ ناپاک
فاقوں سے رہا تھا پھانک کر خاک
بے ریشہ بر طفل نوجوان تھا
حلوا بے دود بے گمان تھا
بولا کہ چکھونگا میں یہ انسان
اللہ اللہ شکر احسان
شہزادہ کہ منہ میں تھا اجل کے
اندیشہ سے رہ گیا دہل کے
پل مارنے کی ہوئی جو دیری
سبحان اللہ شان تیری
استرگی جانے تھی ادھر سے
پر آرد و روغن و شکر سے
وہ دیو لپک کے مار لایا
غراتے ہوئے شکار لایا
اونٹوں کی جو تھیں وہ لایا
دم اس کا نہ اس گھڑی سمایا
نیوار کے وہیں وہ بار بردوش
بیٹھا تو گرا، گرا تو بیہوش
چاہا اس نے کہ مار ڈالوں
یا بھاگ سکو تو راستہ لو
وہ اونٹ تھے کاروان کے
سب ٹھاٹھ تھے مہاجنوں کی
میدہ ابھی شکر بھی گھی بھی
خاطر میں یہ اس شریر کے آیا
میٹھا اس دیو کو کھلاؤں
گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو
حلوے کی پکا کے اک کڑھائی
سر ہی دیو کو چڑھائی
ہرچند کہ تھا وہ دیو گردا
حلوے سے کیا منہ اسکا میٹھا
کہنے لگا کیا مزا ہے دلخواہ
اے آدمی زادہ واہ وا واہ
چیز اچھی کھلائی تو نے مجھ کو
کیا اسکے عوض میں دوں میں تجھکو
بولا وہ پہلے قول دیجے
پھر جو میں کہوں قبول کیجے
وہ ہاتھ پر اس کے مار کر ہاتھ
بولا کہ ہے قول جان کے ساتھ
بولا وہ کہ قول اگر یہی ہے

بد عہدی کے پر نہیں بھی ہے
خورشید کے ہم نظر نہیں ہی
وان ریگ زمین زمین پہ اخگر
رہ جا مرا بھائی ایک ہے اور
وہ مثل صدائے کوہ آیا
مشتاق ارم کی سیر کا ہے
چھوٹی بہن اسکی تھی بڑی نیک
پیارا ہے مرا یہ آدمی زاد
مہمان ہے کیجیو نوازش
بھائی کا جو خط بہن نے پایا
زنبور کے گھر میں انگبین تھی
جوڑا ہم جنس ہاتھ آیا
دو وقت سے شام کو ملے وہ
آپس میں کھلے نہ شرم سے وہ
کیا سرد ہوا ہے واہ واہ واہ
بولا وہ یہی تو چاہتا ہون
یوسف نے کہا وہ حال یعقوب
کھولی تھی زبان منہ اندھیرے
ہم جنس ملا نکالے ارمان
ناکامی کے جب وہ طور سمجھی
درمان ہے کہ درد لا دوا ہے
وہ بولی جو تو کہے زبان سے
محمود انے کہا کہ مادر
دل داغ اسکا برائے گل ہے
راہ اُس نے سرنگ کی نکالی

گلزار ارم کی ہے مجھے دھن
اندیشے کا وان گذر نہیں ہے
ہونا جو نہ قول کا سہارا
شاید کچھ اس سے بن پڑین طور
حال اُس سے کہا کہ قول ہارا
کوشش کرو کام خیر کا ہے
خط اسکو لکھا بایں عبارت
رکھیو اسے جس طرح مری بات
خط لیکے بشر کو لے اڑا دیو
بھیجے ہوئے کو گلے لگایا
محمودہ نام دخت آدم
محمود آکے گلے لگایا
تھے ضبط حیا کے امتحان میں
خاطر کی طرح گرہ رہے وہ
بولی وہ کہ ہونے کو ہوا ہے
گل پاؤن تو میں ابھی عطا ہون
اول کہی بدنگا ہی اپنی
کہتے سنتے اُٹھے سویرے
بولی وہ کہ کہتے آتی ہی شرم
وہم اِس کو ہوا کچھ اور سمجھی
بولی وہ کہ ہے تو در لیکن
تارے تو اُتار دون آسمان سی
باپ اسکا ہی اندھی جن سے جھول
نرگس لے لیئے ہوائے گل ہے
دیوون سی کہا کہ چوہے بن چا

بولا کہ مارے بشر وہ گلبن
وان موج ہوا ہوا ہیں پہ اژدر
بچتا نہ یہین تو خیر ہارا
اک ٹیکرے پر گیا بلا یا!
ہے پیر یہ نوجوان ہمارا
حمالہ نام دیونی ایک
اے خواہر مہربان سلامت
انسان سے چاہیے کچھ جو سازش
پہنچا حمالہ پاس لے دیو
اس دیونی پاس اک حسین تھی
لے آئی تھی دیکے دیونی دم
دن بھر تو الگ تھلک ہی تھی وہ
پردہ رہا ماہ بین کتان میں
بولا وہ افسردہ دل سحر گاہ
جو غنچہ کو گل کرے صبا ہے
پیراہن گل کی بو تھی مطلوب
بعد اس کے وہ سب تباہی اپنی
پوچھا حمالہ نے مری جان
دل سرد رہا بغل ہوئی گرم
پوچھا کہ بتاؤ تو روگ کیا ہے
تم چاہو تو ہے دوا بھی ممکن
چہرہ کو چھپا کے زیر چادر
مطلوب بکاولی کا ہے پھول
ساعی تھی بدل یہ کہنے والی
تا باغ ارم سرنگ پہنچا دُ

سن حاجت نقب بہر گلگشت
حد ماندہ کی خوش سپہر اسی راہ
صحن چمن ارم میں اک جا
دھڑکا یہی دل کا کر رہا تھا
گو باغ کے پاسبان غضب تھے
سوسن کی زبان خدا نے کی بند
ایوان بکاولی جدھر تھا
چندے خورشید چندے مہتاب
پانی کے جو بلبلوں میں تھا گل
پھولا نہ وہ جامے میں سمایا
پارہ دری واں جو سو نیکی تھی
چلمن مژگان چشم مخمور
پردہ جو حجاب سا اٹھایا
چھاتی کچھ کچھ کھلی ہوئی تھی
پیٹے تھے جو بال کروٹوں میں
سوتے ہوئے فتنے کو جگائے
یہ پھول نہیں اژدہوں کا ہے سن
خندہ نہ ہو برق حاصل گل
انگشتری اپنی اس سے بدلی
سایہ بھی نہ اس پری پہ ڈالا
جب نقب افق سے مہر تابان
اوس نقب کے آستین سے نکلا
گل بیکے جب آملا وہ گلچین

کترا چوہوں نے دامن دشت
جب مہر نہ زمین سمایا
بوٹا سا یہ زمین سے نکلا
گوشے میں کوئی لگا نہ ہووے
خوابیدہ برنگ سبزہ سب تھے
خوش قد وہ چلا گل و سمن میں
حوض آئینہ وار بام و در تھا
پھول اسکا انہے کی دوا تھا
پہنچا لب حوض سے نہ جب گل
گل بیکے بڑھا وہ پارع برکف
سو خوابگہ بکاولی تھی
دیکھلاتا تھا وہ مکان جادو
آرام میں اُس پری کو پایا
سمٹی تھی جو محرم اُس قمر کی
بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں
سوچا کہ یہ زلف کف میں لپٹی
یہ کالے چراغ کے ہیں دشمن
پھر سمجھیں گے ہے جو زندگانی
مہر خط عاشقی سند لی
ہیبت سازیں کی دل میں آیا
نکلا تو وہ ماہر و خو یان!
وہ دیونی اور وہ دخت انسان
اُس نقب کی رخنہ بندیاں کین

پوشیدہ زمین کے دل میں کی راہ
اِس نقب کی راہ آدم آیا
کھبکا جو نگاہیا نون کا تھا
خوشہ کوئی تاکتا نہ ہووے
نرگس کی کھلی نہ آنکھ یکچند
شمشاد رواں ہوا چمن میں
رکھتا تھا وہ آب سے سو تاب
رشک جام جہاں نما تھا
پوشاک اتار اتر کے لایا
چوری سے چلا چراغ برکف
گول اِسکے ستون تھی ساعد حور
محراب سے در سے چشم و ابرو
بند اُس کی وہ چشم نرگس تھی
پر جون پہ سے چاندنی تھی سرکی
چاہا کہ بلا گلے لگائے
ہے سانپ کی منہ میں انگلی دیتی
گل چین کی ہنسی نہ ہووے باکل
کچھ نام کو رکھ چلو نشانی
آہستہ پھرا وہ سرو بالا
اندیشے کی طرح سے سمایا
گل ہاتھ میں مثل دست بیضا
دونوں تھیں اُسکی منتظر واں

آوارہ ہونا بکاولی کا تاج الملوک گل چین کی تلاش میں

ان کا جو الم چمن چمن ہے
اور غنچہ صبح کھلکھلایا
جاگی مرغ سحر کے غل سے
پر آب وہ چشم حوض پائی!
گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل
ہے ہے مجھے خار دیگیا کون
نرگس تو دکھا کدھر گیا گل
شمشاد انہیں سولی پر چڑھانا
نرگس نے لگا ہبازیان کیں
کہنے لگی کیا ہوا خدایا
شبنم کے سوا چرانے والا!
جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے
آنکھوں سے عزیز گل مرا تھا
اُس گل کو ہوا نہ دیتی تھی میں
او خار پڑا نہ تیرا جنگل!
خوشبوئی سگھا نپا نہ بتلا
لرزاں تھی زمین یہ دیکھ کہرام
ششدر م بخود اسکی سن کے فریاد
رنگ اسکا غرض لگا بدن سے
دست آویز اِس کے ہاتھ آئی

یوں بلبل خامہ نعرہ زن ہے
وہ سبزہ باغ خواب آرام
اُٹھی نکہت سے فرش گل سے
دیکھا تو گل ہوا ہوا ہے
جھنجلائی کہ کون دیگیا جل
ہاتھ اُس پہ اگر پڑا نہیں ہے
سوسن تو بتا کدھر گیا گل
تھرائیں خواصیں صورت بید
سوسن نے زبان دراز یاں کیں
اپنوں میں سے پھول لیگیا کون
اوپر کا تھا کون آنے والا
بولی وہ بکاولی کہ افسوس
پتلی وہی چشم حوض کا تھا
گل چیں کا جو ہائے ہاتھ ٹوٹا
مشکین کس لین نہ توڑے سنبل
بلبل تو چہک اگر خبر ہے
تھی سبزی سے راست مو بر اندام
جو نخل تھا سوچ میں کھڑا تھا
گل برگ سے کف لگی وہ ملنے
خاتم تھی نام کی نشانی

گل چین نے وہ پھول جب اُٹھایا
یعنی وہ بکاولی گل اندام
مُنہ دھونے جو آنکھ ملتی آئی
کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے
ہے ہے مرا پھول لیگیا کون
بو ہو کے تو پھول اُڑا نہیں ہے
سنبل مرا تازیانہ لانا
ایک ایک سے پوچھنے لگی بھید
پتا ئی پتے کو جب نہ پایا
بیگانہ تھا سبزی کے سوا کون
جس کف میں وہ گل ہو داغ ہو جائے
غفلت سے یہ پھول پر پڑی اوس
نام اس کا صبا نہ لیتی تھی میں
غنچے کے بھی منہ سے کچھ نہ پھوٹا
او باد صبا ہوا نہ بتلا
گل تو ہی مہک بتا کدھر ہے
انگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد
جو برگ تھا ہاتھ مل رہا تھا
بدلیکی انگوٹھی ڈھیلی پائی
انسان کی دست برد جانی

ہاتفوں کو بلا کر کہ ہیہات
وہ ہاتف لگے کہیں خدایا
یہ کہ کے جنون میں ہو غضبناک
سبزے کا سا تار تار دامان
ہے بسکہ عیار سے پھری وہ
گل چین کا کہیں پتہ لگاتی
جس تختے میں مثل باد جاتی
پتا نہیں حکم بن ہلا ہے

خاتم بھی بدل گیا ہے بدذات
عریاں مجھے دیکھ کر گیا ہے
خون روئی لباس کو کیا چاک
دکھلا کے کہا سمن پری کو
آندھی سی اٹھی ہوا ہوئی وہ
ہر باغ میں چھوتے پھری وہ
اُس رنگ کے گل کی بو نہ پاتی

جس نے مجھے ہاتھ ہے لگایا
کھال اسکی جو کھینچیے سزا ہے
گل کا سا لہو بھرا گریبان
اب چین کہاں بکا دلی کو
کہتی تھی پری کہ اُڑ کے جاتی
ہر شاخ پہ جھولتے پھری وہ
بیوقت کسی کو کچھ ملا ہے

پہنچنا تاج الملوک کا ایک اندھے فقیر کے تکیے پر اور آزمانا گل کا

پھرنا جو وطن کا مدعا ہے
یعنی تاج الملوک حق بین
کہنے لگی لو مراد پائی
جوبن کی طرح اُسے اُبھارا
اور گل لئے آفتاب تابان
اس دیونی پاس آئے مضطر
کیا کہتی وہ دیونی کہا جاؤ
جب وقت پڑے دکھائیو آگ
بولے کہ کدھر چلوگے کہدو
گلزار میں بسیوا کے لائے
چار آنکھیں ہوئیں تو تھے شناسا

اب صفحہ پہ یوں قلم پھرا ہے
جس وقت وہ گل چمن سے لایا
بولا وہ جو یاں سے ہو رہائی
جب دیو سیاہ شب سی مہتاب
ہنگام سحر ہوا شتابان
گل کی وہ غرض جتائی اسکو
دیووں سے کہا کہ تخت لے آؤ
دیو اُن کو سر پہ بٹھا کے
فردوس کے رخ کہا ادھر کو
وقت سحر اور خنک ہوا تھی
قدموں پہ گری وہ سایہ سا

وہ گلشن مدعا کا گل چیں!
محمودا خوش ہوئی کہ آیا
گل کی وہ غرض آشکارا
رخصت ہوا جیسے چشم سے خواب
وہ مہروش اور وہ ماہ پیکر
رخصت کی طلب سنائی اسکو
دو بال دئے کہ لو مری لاگ
پرواز کناں ہوا یہ جا کے
وہ مڑ کے اُدھر کو اڑ کے آئے
گلگشت چمن میں بسیوا تھی
صدقے ہو کر کہا خوش آئے

جس گل کی ہوا لگی تھی لاؤ
بولا شہزادہ شک ہے ہاں
پھول اُن کے سبب سے آگیا ہاتھ
شہزادے نے بھائیوں کے لئے نام
بچوں کھونوں داغ کھایا
چھوڑا ہوس گل و چمن کو
آیا لب جو وہ رشک شمشاد
جب متصل آگیا وطن کے
کیا جانیے کیا پڑ گئی افتاد
لشکر کا انہیں کیا اشارہ
جنگل کی راہ سے چلا پردیس
تھا نقش قدم سا خاک رہ پر
واجب تھی آزمائش گل
گل سے ہوئی چشم کور تابان
پہنچے سے مژہ کے لیں بلائیں

ہمراہ یہ کون دوسری ہے
پُر ہے گلِ آرزو سے دامان
جیتا تو پھرا وہ رشک شمشاد
بھجوایا برائے داغ پیغام
داغا تو چلے تفنگ سے وہ
چاروں داغی پھرے وطن کو
اسباب کا کشتیوں پہ کر بار
خندے یاد آئے مرد و زن کی
لازم ہے گل اپنے ہاتھ رکھیئے
خود کشتی سے کر گیا کنارہ
تکیہ پہ فقیر پیر اندھا
ٹھیرا وہ مسافر اُس جگہ پر
پتلی پہ زر گل آزمایا
ہو جیسے چراغ سے چراغاں
گل کے جو اثر سے شادماں تھا

سایہ ہے کہ ہمقدم پری ہے
محمودا نام زن جو یہ ساتھ
قیدی کئے بیسوا نے آزاد
چھوٹوں اس نے تھا اُن کو تایا
چھوٹے قید فرنگ سے وہ
بندوں کو کیا جب اس نے آزاد
سونپا سب ناخدا کو گھر بار
سوچا کہ میں خود ہوں خانہ برباد
موقع نہیں بھیڑ ساتھ رکھیئے
وہ پوربی کرکے جوگیا بھیس
اک گوشے میں آنکھیں مانگتا تھا
بے تجربہ بھی نمائش گل
سونے کی کسوٹی پر چڑھایا
مُنہ دیکھ کے اُس نے دیں دعائیں
گل چیں وہ ہوا ہے ہمعنان تھا

ملنا چاروں شہزادوں اور چھن جانا گل بکاولی کا تاج الملوک سے اور بینا ہونا چشم زین الملوک کا

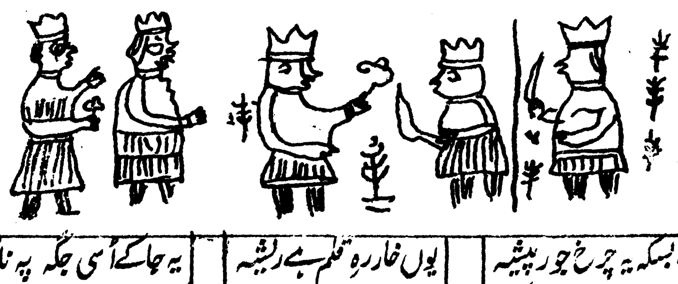

ہے بسکہ یہ چرخ جور پیشہ
آپہنچے وہ چاروں غول گمراہ
کیا رنگ زمانے نے دکھائے
کیونکر بے پھول منہ دکھائیں

یوں خار رہ قلم ہے ریشہ
کہتے تھے کہ واہ رے مقدر
گل لینے گئے تھے داغ لائے
ٹھیرائے کہ اور پھول جائیں

یہ جا کے اُسی جگہ پہ ناگاہ
کس شکل سے پھر کے جاتے ہیں گھر
کس مُنہ سے پدر کے آگے جائیں
کھال کو بیوقوف ٹھیرائیں

اک باد ہوائی توڑ کر پھول
ہو جاتی ہیں روشن اندھی آنکھیں
بولا کہ یہ گل وہ گل نہیں ہے
دکھلائیں وہ گل تو آنکھیں کھلجائیں
چاروں کو تھی حسرتِ گل تر
باہم کہا دیکھو پھول لائے
جوگی یہ بنے وہ شاہزادہ
رکھتے ہی نہ تم زمین پہ پاؤں
یہ کہہ کے جو جیب سے نکالا
شورش میں وہ چار موج یہ خس
گل پانی سے بسکہ سرخرو تھی
گل لیکر حضورِ شاہ آئے
پہنچے سے پلک کے پھول اُٹھایا
آیا پھر آبِ رفتہ جو میں
دولت جو پاس تھی لٹائی
محتاج و گدا ہوئے تونگر

کہتے تھے پھول پھول گل غول
وہ کور کہ ہو چکا تھا بینا
اُس پھول کی اور گل نہیں ہے
میں کور بھی ہو چکا ہوں بینا
جو پائی ہو کیطرح چل
گل ہے کہ علاج نور ہے یہ
بولا کہ بکو نہیں زیادہ
ڈینگ آپکی سب فضول ہے یہ
اُن مفت بروں نے ہاتھ ڈالا
غولوں نے بزور پھول اُڑایا
گھوڑوں پہ ہوا کی مثل ہو تھی
گل لائے جو نور دیدہ دلخواہ
اندھے نے گل آنکھوں سے لگایا
خورشید بصر گہن سے چھوٹا
زر بخشا گل کے رونمائی
بجوائے طرب کے کارخانے

کیا پھول ہے کیا اثر ہے اسمیں
دیکھا اُس نے جو یہ قرینا
وہ جوگی جو جاتے ہیں اگر آئیں
اندھا نہیں اب ہوا ہوا ہوں بینا
اوس جوگی کے جب برابر آئے
گل ہے کہ چراغ طور ہے یہ
پاتے اگر اُس درخت کی چھاؤں
وہ گل یہ نہیں وہ پھول ہے یہ
قوت میں وہ چار تھے یہ یکس
اُس خضر کو راستہ بتایا
تعجیل سے روبراہ آئے
آنکھوں کیطرح پھڑک گیا شاہ
نور آگیا چشم آرزو میں
خیرات کے در کا قفل ٹوٹا
ایک ایک کو اس قدر دیا زر
بجوائے خوشی کے شادیانے

پہنچنا بکاولی کا دار الخلافت زین الملوک میں اور وزیر ہو کر تاج الملوک کی تلاش میں رہنا

گلچین کا جواب پتا ملا ہے
یعنی وہ بکاولی پریشان
دیکھا تو خوشی کے چھپے تھے
ایک ایک ہزار داستان تھا

یوں شاخ قلم سے گل کھلا ہے
گلشن سے جو خاک اُڑاتی آئی
گل چین کے شگوفے کھل رہے تھے
پاتی ہے پتا خوشی سے پھولی

وہ باد چمن چمن خرامان
اُس شہر میں آتے آتے آئی
گلیا نک زبان تھا جو جہاں تھا
شاد ایسی ہوئی کہ رنج بھولی

جادو سے بنی وہ آدمی زاد
صورت جو نگاہ کی پری تھی
کیا نام ہے اور وطن کدھر ہے
فرخ ہوں شہا بن ابن فیروز
گھر بار سے کیا فقیر کو کام
پوچھا کہ طلب کہا قناعت
چہرے سے امیرزادہ پایا
دستور سے آملے بصد جاہ
چاہا گل چین کا امتحان لے
کوئی یمن اور کوئی بدخشان
تجویز میں تھا یہ صاحب فکر
ان سادوں سے کندہ کب ہوئی ہے
منزل گہ رہروان بنا کے
آتے آرام اور جاتے آرام

انسانوں میں آملی پریزاد
پوچھا اے آدم پری رو
ہے کونسا گل چمن کدھر ہے
گل ہوں تو کوئی چمن بتاؤں
کیا لیجئے چھوڑے گاؤں کا نام
باتوں پہ فدا ہوا شہنشاہ
گھر لاکے وزیر اسے بنایا
دربار میں چار دن شاہزادے
پوچھا کہ نگین جو ہے کہاں ہے
جانا کہ جو گل یہ لائے ہوتے
آیا تاج الملوک کا ذکر
ظاہر نہ کیا بطون اپنا
شام و سحر اس میں آپ آکے

سلطان کی سواری آرہی تھی
انسان ہے پری ہے کون ہے تو
دی اس نے دعا کیا بصد سوز
غربت زدہ کیا وطن بتاؤں
پوچھا کہ سبب کہا کہ قسمت
لایا بصد امتیاز ہمراہ
نذریں لے بندگان درگاہ
دیکھا تو کھلے وہ دل کے سادے
بتلانے لگے وہ چار نادان
خاتم کے نگین بنائے ہوتے
نقش اس کو ہوا کہ بس وہی ہے
طالع سے لیا شگون اپنا
رہرو کو دیا بلطف اکرام

آباد ہونا تاج الملوک کا گلشن نگارین بنوا کے اور شہرہ ہونا

تعمیر مکان کے ہیں جو آثار
گل پانے سے خوش چمن چمن تھا
سوچا کہ خوشی خدا کی غم کھاؤ
رکھو پریوں کو اپنے لاکے
تنہا اسے دیکھ کر کہا ہیں
مسکن کیلئے تمہیں بلایا
حمالہ نے دیووں کو کیا یاد

یوں خامہ ہے بہر بیت معمار
اندھے کو کیا جب اس نے بینا
حمالہ دیونی کو بلواؤ
بال آگ پہ رکھتے آندھی آئی
محمودا کیا ہوئیں کہاں ہیں
لیکن وہ مکان وہ حوض وہ باغ
آئے تو کہا یہ بن ہو آباد

شہزادہ کہ عازم وطن تھا
اور داغیوں نے وہ پھول چھینا
نقل ارم اک مکان بناکے
وہ دیونی بال باندھی آئی
دریا پہ ہوں انکو چھوڑ آیا
جو بکاؤلی کو دے داغ
ویرانے کو گل زمین بناؤ

گلزار جواہرین بناؤ
دیوون نے اُدھر محل بنایا
محمود اسے ہوئی بغلگیر
گلشن میں سمن پروں کو لایا
پھل نخل ہوا صلت کا چکھا
دیو آدمی بن کے بن میں آئے
جنت سے وہ پھر پھرانہ گھر کو
مفلس زر دار امیر قلاش
پھر تن میں نہ آئی صورت جان

ضاع طلسم کار تھے وہ
کشتی سے وہ درخت زر کو لایا
کچھ دیوون کو چھوڑ کر وہیں پر
نسرین بدنون سے گھر بسایا
دیوون کو کہا کہ بہر تمکین
آتے جاتے کو گھیر لائے
ازبسکہ قریب شہر تھا باغ
نو کر تاجر فقیر خوش باش
. . . .

گلشن کے لئے بہار تھے وہ
حمالہ اس کی مادر پیر!
رخصت ہو کر چلی گئی گھر
دونوں کو محل میں لاکے رکھا
آباد ہو گلشن نگارین!
جو سن کے خبر گیا ادھر کو
خورشید افق نظر پڑا باغ
گھر چھوڑ کے چل بسے سب انسان
. . . .

ملاقات ٹھہرنی زین الملوک اور تاج الملوک کی آپس میں

گلشن جو بنا جواہر آگین
دلبر کا غلام باد فا تھا
دلوائے ہر ایک کو پٹے قوت
کچھ ٹھیرے کچھ آئے جانب شہر
شحنے نے سُنا پکڑ بلایا
اک دائرہ تھا برنگ خورشید
جب واں سے طلب ہوا تو دربان
حیرت زدہ دور سب سے ٹھیرا
کم پایا یہ لوگ ہیں بظاہر

یوں صفحۂ قلم سے ہے نگارین
صحرا سے جو سیر کر کے آیا
الماس و عقیق و لعل و یاقوت
الفت میں وہ لعل بے بہا تھے
لیکر اظہار ساتھ لایا
دروازے پہ دیو ذکا تھا پہرہ
لائے اُسے پیشگاہ سلطان
اُن لوگوں نے کیا تھا ہمراہ
چوری کے تو یہ نہیں جواہر

ساعد نام ایک مہ لقا تھا
لکڑیکے چکا کے بوجھ لایا
تھی لبکہ وہ جا خلاصۂ دہر
من پاتے ہی لوگ اژدہا تھے
دیکھا تو وہ جلوہ گاہ امید
بھجوا کے خبر وہ شحنہ ٹھیرا
آداب کیا ادب سے ٹھیرا
معروض کیا کہ یا شہنشاہ
ساعد نے کہا کہ ہے یہ حاسد

نیت ہوئی ہو گی اس کی فاسد
پھر کر انہیں پاؤں سحنہ ؔ داس
یہ شہر اُجڑ کے وہ بسائے
حضرت نے کہا کہ یک نہ خیرہ
سلطان کا بیشتر نیک و بد تھا
ہر چند کہ طرفہ حال ہے یہ

حضرت یہ وہی تو ہیں نبردار
آیا زین الملوک کے پاس
جو کوئی اس جگہ پہ جاتا
قارون کا وہیں ہے کیا ذخیرہ
بولا کہ شہا یہ بات کیا ہے
کچھ دور نہیں مثال ہے یا

جاؤں سے نہ بولیو خبردار
کی عرض کہ باغ اک بنائے
ڈیرون میں جواہرات پاتا
فرخ کہ وزیر با خبر تھا
نیرنگ و فسون کا گھر بڑا ہے
. . . .

حکایت ایک عورت کے مرد بن جانیکی دیو کے جادو سے

اک ملک میں ایک صاحب فوج
جنتی تھی ہمیشہ دختر اس کو
اک بار محل میں پھر حمل تھا
بیٹا جو نہ دے جناب باری
کتنا تھی غرض کہ راس اُسکی
گھر والوں کو خوف کا محل تھا
ہر چند ستارہ ماں کا تھا ماند
باوے ملک سے ہو کے ہمساز
حضرت یہ پسر ہے نیک اختر
حضرت نہ پسر کے سامنے ہوں
وہ گندم جو نما تھی بالی
ٹھیرائی کہیں کی شاہزادی
اک شب کسی شنہ میں تھی ڈیری

رکھتا تھا محل میں بازور زوج
ازبسکہ وہ شاہ تھا بد اختر
وہ شاہ کہ ظلم میں مثل تھا
اقبال کا کچھ نہ جانئے اوج
پوری نہ ہوئی وہ آس اُسکی
ملحوظ بدل تھا پردہ زار
تھی چاندنی سہرہ کر دیا چاند
بیٹے کا وہ زائچہ بنا کے
بدیمن مگر ہے ایک اختر
حیلہ کر کے چھپائی یک چند
مردانہ لباس سے نکالی
بن ٹھن کے عروس شکل داماد
اور روز نکاح تھا سویرے

تھا داغ پسر مقدر اس کو
کرتا تھا حسد سے قتل دختر
کھا بیٹھا قسم کہ اب کی باری
کر ڈالئے ذبح دختر و زوج
سُلطان کا جو عہد بے خلل تھا
سیارہ شناسیوں سے کیا ساز
پھر اہل نجوم محرم راز
گویا ہوئے دست بستہ آ کے
جبتک نہ چلے یہ اپنے پاؤں
بیتاب ہوا جب آرزو مند
خوش ہو کے پدر نے بہر شادی
شادی کو چلے بجان ناشاد
خیمے سے وہ بے قرار نکلی

اُس چھلاوے سے مثل غار نکلی
اک دیو وہاں پہ گشت میں تھا
منہ کھولو عدم کی راہ بتلاؤ
اے مرد خدا خدا کی سوگند
خنجر کا ہو کیا نام سے کام
آنکھیں جھکا کے دیو بولا
تو مجھ سی بنے میں بچھ سا بن جاؤں
پائی مردانگی کے پر تو
واں شیشہ رہا ترشکے ساغر
بولا کہ شہا جو یہ ہوا ہے
بے دیکھے سنے کو کس نے مانا

دیکھا تو اندھیری رات سنسان
جو پائے شکار دشت میں تھا
بولا وہ کہ سن تو آدمی زاد
کہ کس لئے ہے تو آرزومند
کہہ کر کھلی بندوں جی کی تنگی
تو کیا کھلی پردہ تو نے کھولا
موند آنکھ کہا تو موندے آنکھ
دامن میں سے دے چراغ لے لو
اب یاں سے ہے قصہ مختصر طول
اس بات کا پھر وجود کیا ہے
یاد آئی مجھے بھی اک روایت

ایک عالم ہو ہے اور بیابان
دیکھا تو کہا خضر ملے آؤ
کیوں تنگ ہے جیسے کیا ہی بیداد
بولی وہ کہ یہ خیال ہے خام
بے ننگ ہوئی وہ شوخ ننگی
خاطر تیری سے طلسم دکھلاؤں
کھول آنکھ کہا تو کھول لے آنکھ
تھالی میں یہاں اوگا صبوبر
فرخ کہ وہ تھا وزیر معقول
شہ نے کہا سن وزیر دانا
یہ کہہ کے بیان کی حکایت

حکایت نصیحت گری مرغ اسیر اور نافہمی صیاد کی

اک مرغ ہوا اسیر صیاد
کھلتا نہیں کس طمع پہ ہے تو
پالا تو مفارقت ہے انجام
سمجھاؤں جو پند اسے گرہ باندھ
قابو ہو تو کیجیے نہ غفلت
جاتا ہو تو اُس کا غم نہ کیجے
بازو کے جو بند کھول ڈالے
کیوں پر مرا کیا سمجھ کے کھولا
دولت نہ نصیب میں تھی تیری

دانا تھا وہ طائر چمن زار
بیچا تو ٹکے کا جانور ہوں
دانا ہو تو مجھ سے لے مرے دام
سن کوئی ہزار کچھ سنائے
عاجز ہو تو ہار بیٹھے نہ ہمت
طائر کے یہ سن کلام صیاد
طائر نے تڑپ کے پر نکالے
ہمت نے مری مجھے اُڑایا
تھا لعل نہاں شکم میں میرے

بولا جب اس نے باندھی بازو
گر ذبح کیا تو مشت پر ہوں
بازو میں نہ تو مرے گرہ باندھ
کیجے وہی جو سمجھ میں آئے
آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے
بن دام ہوا غلام صیاد
اک شاخ پہ جا چہک کے بولا
غفلت نے تیری مجھے چھڑایا
دیکر صیاد نے دلاسا

چاہا پھر کچھ لگائے لاسا
ارباب غرض کی بات سنکر
دیکھ آ جو تجھے دہل نہ ہووے
نقشے میں وہ گلشن نگارین
پردیس میں ہوں کہ گھر مرا ہے
آداب ایک کر کے حسب دستور
کیا جانے کہ خود بکاولی ہے
انسان ہوں بندۂ خدا ہوں
بن گھیر لیا مکان بنا کے
دعوے یہ ہے یاں زمین دابی
سر آنکھوں سے چلکے جھپہ سا ہو
درویشی ہیں دلکے بادشاہ ہیں
مثل دل بدگمان رکا تھا
بولا وہ فقیر کی بلا جائے
اٹھ جائیگا درمیان سے پردا
شہزادہ و شاہ محل ہیں تھیں وان
فرخ فرخ پکار اٹھا
دیکھ آیا میں وہ مکان یاقوت
گلشن ہے جواہرین کہ جادو
دیوؤں کی بنائی ہے وہ بنیاد
درویش ہے شاہ نام کو ہے
کل آپ بھی چل کے کیجئے سیر

بولا وہ کہ دیکھ کر کیا جعل
کر لیجئے یک بیک نہ باور
مشتاق تو تھا چلا بدستور
گلزار ارم سے تھا خوش آیئن
اس سوچ میں تختگہ تک آیا
ٹھیرا تو وہ بادشاہ منظور
پوچھا کہ کدہر سے آئے کیا کام
بھیجا زین الملوک کا ہوں
بہکا کے بسائے ہردم شہر
آبادی میں آئی ہے خرابی
بولا وہ کہ فتنہ گر نہیں ہم
مسند کے تکیئے پر گدا ہیں
بولا چلو صلح درمیان ہو
مشتاق جو ہو وہ شوق سے آئے
یہ کہ کے پھرا وزیر آیا
برہم زدہ بزم کے چراغان
سلطان کے نثار ہو کر دستور
ہے معدن لعل و کان یاقوت
نقشہ ہوں کہ نگارخانہ
رہنے والے ہیں آدمی دو را
دیوا سکے عمل ہیں آ گئے ہیں
وعدہ کر آیا ہوں کہا خیر

ظاہر بھی کہیں نکلتے ہیں لعل
فرخ یہ وہی مثل نہ ہووے
دکھلائی دیا وہ بقعۂ نور
حیرت تھی کہ یہ طلسم کیا ہے
حیران وہ وزیر شہ تک آیا
سمجھا کہ حسین آدمی ہے
بولا وہ کہ نام سے ہے کیا کام
گستاخی معاف آپ آئیے
حضرت کا بڑا ہے آپ پر قہر
خراب بھی رفع شر جو چاہو
شر جن سے ہو وہ بشر نہیں ہم
دستور کہ عرض کر چکا تھا
باہم مہ و مہر کا قران ہو
بولا وہ کہ خیر تا بہ فردا
پہنچا تو وہ شہر خالی پایا
شہ نے جو وزیر آتے دیکھا
بولا کہ بلائے شاہ ہو دور
تختہ ہے زمردین کہ مینو
جادو کا تمام کارخانہ
واں صاحب تاج و تخت جو ہے
جادو کے محل بنا گئے ہیں
. . . .

بھید کھلنا چھپے ہوؤں کا ایک ایک کر کے

اب خامے سے واشگاف یوں ہے
سوچا کہ ہوں ٹھاٹھ کل زیادہ
دعوت کی اس نے خبر سنائی
پلکوں سے زمین بن کی جھاڑی
صناعی انہیں نے رات بھر کی
چاروں شہزادے لیکے ہمراہ
مشرق سے رواں ہوا دلاور
فراش ابر کی طرح چھڑکتے پانی
شہ دیکھتا تھا دشت پر خس تھا
اپنے ہی جگر کا داغ ہے یہ
اتنے میں سنا کہ صاحب تاج
سنائے ہیں تھے کہ اللہ اللہ
شہزادے نے آمد اُنکی پائی
دولت لی کھلیں ہزار آنکھیں
وہ چتر کی زیر سایہ بیٹھے
لے آئے خواص نازک اندام
رغبت سے انہیں کھلایا کی
کے نام و نشان دلنشین ہیں
اک اور ہوا تھا قابل خشم
نکلا تب خار دشمنی کا
پوچھا شہزادے نے کہ یا شاہ
کو کا اُسی شاہزادے کا تھا
صورت وہی رنگ روپ وہی ہے
سر پاؤں پہ رکھدیا پدر کو
لے لے کے بلائیں کاکلوں کی

دل ملنے کی راہ صاف یوں ہی
رکھ آتش پہ دوسرا بال
دیونی رخ اُس نے آنکھ اٹھائی
غولوں سے بھرا جو تھا بیابان
مشتاق واں نے وہ شب سحر کی
جو جو امرا تھے سب بلا کے
جسطرح افق سے شاہ خاور
دیکھا تو تمام دشت گلزار
فرخ کہتا تھا کل تلک تھا
تجویز رہے تھے سب کے سب تنگ
جتنے بڑھے آگے سب تھے تاراج
دیکھے جو جواہرات کے ڈھیر
کی نادر خانہ پیشوائی!
ایوان جواہرین میں آئے
افسر سب پایہ پایہ بیٹھے
چکنی ڈلی عطر الائچی پان
بولا شہزادہ مسکرا کے
سلطان نے کہا بصد لطافت
وہ نور بصر تھا دشمن چشم
پوچھا اس نے وہ اب کدھر ہے
صورت سے ہوا اُسکی کوئی آگاہ
بولا کہ حضور ادھر تو دیکھیں
لہجہ وہی گفتگو وہی ہے
سر قدموں سے شاہ نے اُٹھایا
پیشانی چومی پیٹھ ٹھونکی

فرخ جو گیا تو شاہزادہ
حاضر ہوئی دیونی قوی بال
ہمچشموں نے چتون اسکی تاڑی
پھولوں سے بنا دیا خیابان
بجتے ہی گجر وہ شاہزادی جاہ
فرخ کو خواصی میں بٹھا کے
بجلی سے جو رزق برق آئی
دائیں بائیں دو رستہ بازار
غافل تھے کہ سبز باغ ہے یہ
جادو افسون طلسم نیرنگ
کیا لشکری اور کیا شہزاد
سب من کی ہوس سے ہوگئے سیر
دونوں میں ہوئیں جو چار آنکھیں
الماس کے شہ نشین میں سے
جو جو کہ نوادر خانے میں تھے
نقل و مے و جام و خوان الوان
اس تاج شہی میں یہ نگین ہیں
یہ چار ہیں عنصر خلافت
جب لائے یہ گل بکاولی کا
سلطان نے کہا کہ کیا خبر ہے
اک اُن میں سے چشم آشنا تھا
دیکھا تو کہا مری نظر میں
یہ سنتے ہی اس نے خندہ کرکے
فرزند کو چھاتی سے لگایا
غرض اس نے کیا کہ دو پرستار

پابوسی شہ کے ہیں طلبگار
شہزادے نے اک مکان بنایا
بیٹھے رہے فرش گل پہ داغی
دلبر سے کہا میں جب بلاؤں
بے پردہ حضور شہ بلایا
اُٹھ جائیں یہ چاروں سمت پنہاں ہو
یکبارگی شاہ ہو گیا دنگ
یاں دل پہ تھے داغ واں سرین کے
وہ گھات وہ جیتنا تمامی
وہ دیو کی بھوک اور وہ تقریر
محمودا کی وہ آدمیت
وہ سیر چمن وہ پھول لینا
وہ غنچوں سے ملکے پھول کھونا
وہ نزہت گلشن نگارین
پنہاں تھا جو کچھ عیاں کیا سب
پہلے تو بہت وہ منہ چڑھے ڈھیٹ
پابوسی شہ کو سر سے آئیں
نذریں اُن دونوں نے دکھائیں
بولا بیٹے سے جان بابا
مشتاق کو رو براہ پایا
اشکوں کے گہر گئے نچھاور
ہر خویش و بیگانہ سے ملا وہ

حضرت نے کہا بلائیے خیر
ایک ایک اُٹھا ادھر کو آیا
شہزادہ اُٹھا محل میں آیا
تو کہیو یہ چاروں داغی اُٹھواؤ
دلبر نے کہا نہ جاؤں گی میں
داغی ہوئے ہیں غلام آزاد
دکھلائی دیئے جو بیٹھے بے رخ
یاں نام پہ حرف واں نگین پہ
وہ دسترس اور وہ پائمردی
وہ حلوے کی چاٹ اور وہ تحریر
تجویز کی وہ سرنگ کی راہ
وہ عزم وطن وہ داغ دینا
وہ بال کو آگ کا دکھانا
وہ دعوت بادشاہ وہ تمکین
انگشتری پری دکھا کر
آخر داغی دکھا گئے پیٹھ
حضرت نے سمجھ کے حسن خدمت
رخصت ہو کر محل میں آئیں
روشن کیا دیدۂ پدر کو
ہمراہ اُسے تا بخانہ لایا
وہ طفل بھی گر پڑا قدم پر
پھر اپنی جگہ پہ آ گیا وہ

اُٹھ جائیں جو بیٹھے ہوں یہاں غیر
سب اُٹھ گئے پر وہ چاروں داغی
پردے تلک اُن کو ساتھ لایا
در پردہ سکھا کے باہر آیا
قربان گئی نہ آؤں گی میں
چاروں کا یہ سنتے ہی اڑا رنگ
دیکھا تاج الملوک کے رخ
وہ جعل وہ ہار وہ غلامی
وہ بیکسی اور دشت گردی
وہ ستی وہ دیونی کی صحبت
اور موش دوانیاں وہ دلخواہ
وہ کور کے حق میں خضر ہونا
وعدے پہ وہ دیونی کا آنا
گذرا تھا جو کچھ بیان کیا سب
کھلوائی سرین کی مہر محضر
اٹھوا کے انہیں وہ دو خوش آئیں
دونوں کو دیئے خطاب و خلعت
مسند سے شاہ اُٹھ کے بھجایا
مادر کے بھی چل کے آنسو پونچھے
مادر نے جو دیکھا وہ دلاور
مانند سرشک چشم مادر
. . . .

غائب ہو جانا فرخ یعنی بکاولی کا اور بلوانا تاج الملوک کو گلشن نگارین سے اور متفق ہو کر گلزار ارم میں رہنا

کھلنے پہ جو ہے طلسم تقدیر
یعنی وہ بکاولی مستور
سوچی کہ دلا شتاب کیا ہے
تغیر لباس کر گئی وہ
غربت سے چلی وطن میں آئی
صدقے ہوئی کوئی کوئی قربان
ولی کہو کیا کیا کہا خوب
لکھا گل چین کے نام نامہ
اے دلبر دلبران دغا باز
وے لقب دوان باغ گلرنگ
اے رہرو رو براہ نہادہ
وے لعل نلستہ سنگ خارا
اے باعث عزم تیز بانی
وے سرمہ چشم آشنائی
تو باغ ارم سے لیگیا گل
فرخ ترے واسطے ہوئی ہیں
جو جو اسرار تھے نہانی
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے
کیا کہیئے کہ صورت اور کچھ تھی
جلد آ گے ہے مصلحت اسی میں
داغوں پہ دیئے ہیں داغ تو نے

اب خامے نے یوں کیا ہے تحریر
مطلوب کا سن کے سب حال
پھر سمجھے گئے اضطراب کیا ہے
فرخ کہنے تک آدمی تھی
صحرا میں اُڑی چمن میں آئی
اس غنچہ میں اک سمن پری تھی
بے کچھ کہے پھر بھی آئی کیا خوب
اے یوسف چشم زخم یعقوب
وے دیو سوار عرش پرواز
اے پردہ کشائے بے حجابی
وے صرصر گل بباد دادہ
اے بے خبر طلسم صورت
وے صاحب بزم مہربانی
اے پردہ کشائے روئے پنہاں
تو مجھ سی پری کو دے گیا جل
تجھکو تیرے باپ سے ملایا
سب تجھ سے سُنے تری زبانی
چاہا تھا کروں سبر سے پامال
وقت اور ضرورت اور کچھ تھی
آئے گا تو گذر کروں گی
دکھلائے ہیں سبز باغ تو نے

فرخ وہ بادشہ کا دستور
چاہے کہ نکالے کچھ پروبال
اس وضع کا پاس کر گئے وہ
پھر وہ ہی بکاولی پری تھی
پژمردہ خواصوں میں بڑی جان
وہ ہم نفس بکاولی تھی!
مانگا کاغذ دوات خامہ
وے رشک برادران منکوب
اے آب نہ زمین نیرنگ
وے دزد حنائے دستیانی
اے بے سروبرگ گلشن آرا
وے بے بصر رخ ضرورت
اے آئینہ دار خودنمائی
وے داغ نمائے پشت اخوان
بیرخ ترے واسطے ہوئی ہیں
مجھ کو یہ ملا کہ تجھ کو پایا
کیا لطف جو غیر پر وہ کھولے
کر شکر سمجھ کے تھا خوش اقبال
اب تک ہیں وہ خار جس کے جی ہیں
ورنہ میں بہت سا شر کرونگی
کانٹوں میں اگر نہ ہوا الجھنا

تھوڑا سا لکھا بہت سمجھنا
یہ خط یہ انگوٹھی لے ابھی جا
رہتا ہے وہیں مرا وہ گلچین
خط خاتم بیکلے وہ ہوائی
ثابت ہوا گلشن نگارین
گلگشت میں تھا کسی روش پر
دھیان اس کو بکاولی کا آیا
پر تو پہ وہ یون چلا تڑپ کے
قاصد نے دیا وہ خط پری کا
قاصد سے کلام لطف بولا
قسمت کا نوشتہ یک قلم تھا
منگوا کے وہیں دوات خامہ
فرخ لقب و بکاولی نام
مینے جو غرض سے جی چرایا
توں نیک تھی سبے ملے گئی ہوں
تقدیر پھری پھری نہیں تو
جی کھول کے داغ دل دکھاتا
اب مجھ میں وہ دم اجی کہاں ہے
میں کیا کہ خبر نہ پہنچے میری
تجھ سے مری خاطر اب کہاں جمع
تو سیل رواں میں خستہ ایوان
دھڑکا ہے یہی تو جان دونگا
انسان کی ہے مرگ زندگانی
حمالہ کو بھیج آکے لے جائے
آسان ہے یہاں بھی جان دینا

پھر خط کی نہ ہو امیدواری
پورب کی سمت کو چلی جا
خاتم کے نشان سے نامہ بھیجو
پتا ہوئی اور تپے پہ آئی
وہ آدم جو روش پری رو
محمود ادا ایٹن یا ہیٹن دلیر
پہچانتے ہی نگین خاتم
انگارے پہ جیسے کیک بیکلے
گو سرمہ خموشی نے کھلایا
خط صورت چشم شوق کھولا
تحریر تھی سرگذشت ساری
تحریر کیا جواب نامہ
اس نام کے اس لقب کے صدقے
تو نے کیوں آکے منہ چھپایا
تو جائے تو کیوں نہ آئے افسوس
امید گئی گئی نہیں تو
معلوم تو ہے کہ شوق کیا تھا
وہ دل وہ جگر وہ جی کہاں ہے
قابل وہاں آنے کے کہاں ہوں
تو نشتر شعلہ میں رگ شمع
تو جوشش سیم میں مور بے پر
مر جاؤنگا اب نہ میں جیونگا
منظور جو ہو حیات میری
شاید مجھے زندہ پا کے پہنچا
یہ لکھ کے جو خط سی یا تھ اٹھایا

القط ہے قلم کی دوسنداری
رتنے میں ہے گلشن نگارین
ٹھیرے رہیو جواب بیجو
وہ باغ کہ تھا جواہر آگیں
یعنے تاج الملوک خوشخو
قاصد نے جو رخ پری دکھایا
بے شبہ ہوا الیقین کا عالم
دھوکا تھا فقط بکاولی کا
تحریر کو آنکھوں سے لگایا
وہ نامہ کہ عنبریں رقم تھا
کچھ یاس تھی کچھ امیدواری
اے شاہ ہارم کی دخت گلفام
اس نامہ کے اس طلب کے صدقے
میری جو بدی ہوئی تھی کچھ یوں
افسوس افسوس ہائے افسوس
اے کاش میں کچھ بھی سانس پاتا
جو کھینچ کے یاں سی لیگیا تھا
مرجاؤں اگر طلب میں تیری
یاں بھی رہا تو نیم جان ہوں
تو برق وہاں میں خرمن خار
میں نقش قدم تو باد صرصر
ہو تجھ سی پری جو خصم جانی
تو مان لے ایک بات میری!
بھیجا نہ اسے تو جان لینا
قاصد نے لیا جواب لایا

مطلوب کا خط وہ پڑھ رہی تھی
دیکھا تو وہ دیونی کھڑی تھی
پوچھا کہ آری تجھے خبر ہے
گل چین مرا کونسا بشر ہے
وہ صدقے ہوئی کہا بلا لوں
بن دیکھے کسکا نام کیا لوں
یہ سنکے وہ شعلہ ہو بھبوکا
بولی کہ تجھے لگاؤں لوکا
تیرا ہی تو ہے فساد مردار
داماد کو گل دیا مجھے خار
گل نقب کی راہ لے گیا چور
زندہ کروں اس موئے کو درگور
حمالہ جلی ہو کہا کہوں میں
داماد کو لا ٹھنڈی ہوئیں
آگاہی جو دیونی نے پائی
بگڑی ہوئی بات یوں بنائی
محمودہ ہے اک کنیز زادی
انسان سے ہوئی ہے اسکی شادی
میرا تو نہیں قصور ہے کچھ
شاید اسکا فتور ہے کچھ
مجرم جو وہ ہے تو میں لائی
یہ کہ کے اُٹھی چلی ہوائی
آئی تو یہ زار نیم جان تھا
آپ اپنی قضا کا نوحہ خواں تھا
حمالہ کو دیکھتے ہی رو رو
پوچھا کہ تو لینے آئی مجھ کو
بولی وہ بنی بگاڑ کیا ہے
چل دیکھ تو چھیڑ چھاڑ کیا ہے
کچھ بول کے زیب لب وہ دل زار
ہے جان میں تب کے ہم سو بیمار
لرزہ سا چڑھا جو دیونی پر
مانند خواص اُڑی وہ مضطر
اس سمت سے پہنچی یہ عقیلہ
واں آئی پری کی ماں جمیلہ
شکوہ کرنے لگی پری سے
یوں کہنے لگی بکاولی سے
گلزار کی سیر خوب بھائی
برسوں سے نہیں تو گھر بھی آئی
بے طرح گلوں کی ہے تو شیدا
گل چین نہ ہوا ہو کوئی پیدا
میں کیا جانوں مجھے خبر کیا
رخ کس کو تکتے ہیں نظر کیا
تقریر جو بھولے پن کی پائی
وہ سادہ دل اُٹھ کے گھر کو آئی
کھلتے ہیں کچھ انتظار کے طور
رخ میری طرف نظر کہیں اور
مادر کی کلام سنکے دختر
بولی کہ چمن تو ہے مرا گھر
جب اُٹھ گئی یہ تو دیونی وہ
حاضر ہوئی لیکے آدمی وہ
آیا تو وہ منتظر تھی خونخوار
اندیشے سے کانپ اُٹھا گنہگار
واں غصہ بھری غضب وہ چتون
پلکوں سے یہاں نظر بہ چلمن
واں سرمہ چشم گرم تسخیر
یاں قطرۂ اشک زگلوگیر
واں پہچاننے کو بلا وہ گیسو
یاں تاب سخن نہیں سر مو
بولی وہ پری بصد تامل
کیوں جی تمہیں بھا گئے تھے وہ گل
کیا کہتی ہوں میں ادھر تو دیکھو
میری طرف اک نظر تو دیکھو
ہے یہ نہیں یہ خطا تمہاری
فرمایئے کیا سزا تمہاری
قابو میں پری کے تھا سلیمان
بولی بنائیے کیا پشیمان
کی عرض رضا ہے جو خوشی ہو
عاشق کی سزا جو پوچھتی ہو
مشکیں زلفوں سے مشکیں کسواؤ
کالے ناگوں سے مجھ کو ڈسواؤ
تلوار سے قتل ہو جو منظور
ابرو کے اشارے سے کرو چور
زندان میں جو زندہ بھیجنا ہو
اپنے دل تنگ میں جگہ دو
یہ سن کے وہ شاخ مسکرا دو

بولی اُسے چھاتی سے لگا کے
رخ دیکھ چکی ہوں اب ترا میں
مستی نے دلوں کے عقدے کھولے
وا ان غنچہ یاسمن تھا گلنار
پھولی رخ مہر پر شفق بار

گلچین تو نہیں فقط چمن کا
یہ دوسرے کو بتاؤں کیا بال
کاوش یہ ہوا گزار کے الماس
یا دامن سرو دار غوان زار
کیا آگے لکھوں کہ اب سرشت

محرم ہے سارے تن بدن کا
یہ کہ کے بھوں سے قند کھولے
غنچے نے بجھائی اس سے پیاس
وان صبح صفا تھی گل بد امان
ہوتا ہے دوات میں قلم مست

افشائے راز ہو کر پھنسنا تاج الملوک کا طلسم مین اور مقید ہونا بکاولی کا

خونی رقمی سے کلک شنجرف
ہے شمع فروز پردہ راز
گذرانی خبر برابر اُس کی
اگرچہ ہی دیکھتی جمیلہ
وہ شعلۂ آتشین لپک کے
کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں
تھمتا نہیں غصہ تھا سے سے
سایہ سی رہی قدم پکڑ کے

ہے سرکشائے معنی وحرف
ہمدم جو بکاولی نے پایا
اک شب کہ تھی خال روشنائے ممت
غماز یہ غم خوشی میں لایا
بجلی سی گری چمک دمک کے
حرمت میں لگایا داغ تو نے
چل دور ہو میرے سامنے سے
مادر نے ہزار سامان میں

ازبسکہ یہ عشق فتنہ پرداز
بھڑکائی جمیلہ مادر اُس کی
یا مردم دیدہ قیامت
روشن ہے چراغ اور فتیلہ
دونوں کی رہی نہ جان تن میں
لٹوائی بہار باغ تو نے
خجلت سے پری زمین میں گڑ کے
رکھا اِسے قید کے مکان میں

پا بزنجیر ہونا بکاولی کا سودائے فراق تاج الملوک مین

سودائے الم ہے اب جو تحریر
حرفوں سے قلم ہے پا بزنجیر
سنسان وہ دم بخود رہی تھی

کچھ کہتی تو ضبط سے تھی کہتی
جامے سے جو زندگی کی تھی تنگ
زائل ہوئی اسکی طاقت و تاب
آنے لگے بیٹھے بیٹھے چکر
داناؤ عقیل و خوش بیان تھیں
ثابت نہ کچھ اثر ستارے کا ہے
منہ دیکھ تو آئینہ لگا کر
ہے ہے تری عقل کسنے کھوئی
رہتا نہیں پانی میں سمندر
روشن ہے جو کچھ کیا ہے اندھیر
توبہ کا تو در نہیں کیا بند
اے شمع نہ سوچی گر بد و نیک
اب مان نہ مان تو ہے مختار
غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجے
اب ایک کہو گے تم تو میں دس
ماما مری حالت ابے دی ہے
تم کیا ہو ہزار میں کہوں میں!
مجنوں ہوا گر تو فصد لیجے
درمان کیلئے دوا و دوش ہو
آخر بہ توجہی سے اپنی ہو تنگ
رہتے نہ کہیں گلے پہ تلوار
کر یاد کہیں چہ ذقن کو
ہے باعث مرگ ناگہانی
بیڑی تھی رخ جنوں کی کاکل
زنجیر ہے پیش پا فتادہ

کرتی تھی جو بھوک پیاس تسکین
کپڑون کے عوض بدلتی تھی رنگ
صورت میں خیال رہ گئی وہ
فانوس خیال بن گیا گھر
سمجھانے لگیں کہ مرتی ہے کیوں
کس چاند کو کیا گہن لگا ہے
صورت تری زار ہو گئی ہے
تا جنس کو چاہتا ہے کوئی
مذکور نہیں ہے کچھ حسد کا
پھر اپنی سمجھ کا ہے پھیر
بھولے سے کبھی کرنہ یاد آدم
رستہ کاٹیگا تجھ سے ہر ایک
تو قید جفا میں ہے کہ ہم ہیں
دکھ پوچھ نہیں کہ بات لیجے
رنجور جو ہوں تو میں تمہیں کیا
بہتر ہے وہی جو کچھ بدی ہے
سوچیں وہ کہ یہ نہیں سمجھتی
سایہ ہو تو دوڑ دھوپ کیجے
بیماری عشق لا دوا ہے
ایسا نہ ہو لائے اور کچھ رنگ
وہ سبزہ خط جو یاد آئے
کودے نہ کنوئیں میں باولی ہو
تدبیر کا حوصلہ نکالا
پابوسی گل کو آیا سنبل
شوربدہ بکاولی غضب تھی

آنسو پیتی تھی کھاکے قسمیں
یکچند جو گذری بے خور و خواب
ہیئت میں مثال رہ گئی وہ
پریاں وہ جو اسکی پاسبان تھیں
ترک خور و خواب کرتی ہے کیوں
رحم اپنی جوانی پر ذرا کر
گل ہو کے تو خار ہو گئی ہے
سہتی نہیں آگ ماہیئے تر
ساتھی نہیں کوئی کار بد کا
محبوس کیا ہے تجھ کو ہر چند
پھر گھر وہی تو وہی ہم
سمجھانے سے تھا نہیں سروکا
تو دام بلا میں ہے کہ ہم ہیں
جھنجلائی بکاولی کہ بس بس
مجبور جو ہوں تو میں تمہیں کیا
بلبل اسی رشک گل کی ہوں میں
ہے بلکہ برنگ زلف الجھتی
کچھ روک جو درپے خلش ہو
اس باغ کی ادھر ہی ہوا ہے
یاد آئیں جو ابروان خمدار
جھنجلا کے کہیں نہ زہر کھائے
دیوانے کی مطلق العنانی
زنجیر کا سلسلہ نکالا
جب وحشت عشق ہو زیادہ
زنجیروں میں بھی وہ بند کب تھی

بڑھتی جب دل کی بیقراری
پڑھتی یہ غزل بآہ وزاری

غزل

بیتابی دل جہان جہان ہے
عالم کا ترے جہان بیاں ہے
. . . .

زنجیر جنون کڑی نہ پڑیو
دیوانے کا پاؤں درمیان ہے
ذرے کا بھی چمکیگا ستارا
قائم جو زمین و آسمان ہے
جو داغ کہ مہر ہے فلک پر
دلبین مرے ابتلک نہان ہے
کس سوچ میں ہو نسیم بولو
آنکھیں تو ملاؤ دل کہان ہے
. . . .

آنا تاج الملوک کا صحرائے طلسم میں روح افزا پری کے ساتھ فرموس میں

پھر گھر طلسم اخلاص
وہ غرقہ بحر آشنائی
بے مہری چرخ سے جو ناگاہ
سو ماہی بحر ابتری تھا
دریا تھا نہ بحر تھا نہ جیحون
ابھرا تو نہ کچھ نظر سے گذرا
آگے جو پڑا جزیرہ دیکھا
ہاتھ آیا نہ کچھ حباب کی طور
اور آگے بڑھا وہ بحر اوہام
اک نخل کہن پہ چڑھ کے بیٹھا
صورت میں پہاڑ کی نشانی
اس کالے نے من نسیج ڈالا
جب صبح ہوئی تو منہ میں ڈالا
من افعی شب کو منہ سے نکالا

ہے بحر سخن میں خامہ غواص
وہ بادشہ حباب افسر
گرداب کے ہاے کا ہوا ماہ
یا دل سادہ آسمان جوش
طوفان طلسم جوش افسون
موجون کے عوض تھی چین داماں
اشجار کا واں ذخیرہ دیکھا
جانا کہ طلسم کا ہے جنگل
ڈوبا خورشید ہو گئی شام
ناگاہ سنی صداے پرخوف
سیرت میں بلائے ناگہانی
لہرا لہرا کے اوس چاٹی
کالے نے من اژدہے نے کالا
سوچا وہ کہ لیجیے من کسی طور

وہ قطرۂ بارش جدائی!
یعنے تاج الملوک مضطر!
جو ماہ سپہر برتری تھا!
بجلی سے لہر سے تنہا ہم آغوش
گرتے تو وہ پانی سر سے گذرا
گرداب کے بدلے تھا گریبان
جس پھول کو چھوا جو یہ کیا غور
ہے یان کے درخت کا یہی پھل
ڈر جانوروں کا جی میں بیٹھا
آیا اک اژدہا پئے طوف
منہ کھول کے سانپ اک نکالا
بن میں کالوں نے رات کاٹی
وہ جا کے افق میں مہر چمکا!
دشمن کا تھا سامنا کیا غور

کچھ گابٹن کلیلیں کر رہی تھیں
گوبر کے انہیں کو چھوت پھینکو
گوبر پھینکا تو دب گیا من
من ڈھونڈتے آپ کھو گئے وہ
دو مرغ تھے بیٹھے ایک شجر کا
کھلتا نہیں کچھ طلسم یاں کا
وہ پیڑ جو حوض پر لگا ہے
مارے سے نہیں کسی کے مرتا
پیکے گا خود اُس کو دیکھکر سانپ
بن جائیگا آدمی سے طوطا
نسب خشک ہو ایک ہو ہری ڈال
انسان کا رنگ روپ پائے
جس شخص کے پاس وہ ثمر ہو
بنجاتا ہے موم اگر ہو آہن
ٹوپی جو بنائی چھیل کر چھال
دم بھر میں بھرے جراحتوں کو
تھا ہلیم غیب مرغ گویا
وہ حوض میں تھا مثال ماہی
تھے پھل گوند چھال لکڑی
پرّاں ہوا صورت عصا فیر
من لانکو چیر کر چھپایا
سرچشمۂ آفتاب دیکھا
دکھلائی پری دونوں نے شامت
فوارہ یہ گم خزانہ باقی
نامردی سے اپنی نعرہ زن ہو

بن میں لہری وپ یہ ہی تھیں
نکلا جو سپہر آکے شب کو اژدہا
بادل میں چھپا وہ ماہ روشن
من پیکے جو اُسے مہر مارا
مادہ لگی پوچھنے کی او نر
مادہ سے یہ سن کے بول اُٹھا نر
طوبیٰ سے خواص میں ہوا ہے
لیکن جو یہ بندۂ خدا جانے
منہ چادر آب میں یہ ڈھانپے
اندیشہ نہ اپنے دل میں لائے
دو رنگ کے پھول ہیں سبز و لال
پھر توڑے اُسکی سبز پھل کو
ہنبیار نہ اس پہ کارگر ہو
دو ہاتھوں میں لیے جو کاندیرسے
دکھلائی ندی نظر کی مثال
منہ میں رہے گوند اُسکا جب تک
سنتے ہی اُدھر پیلا وہ جویا
طوطا بن کے شجر پہ آکر
اُس پیڑ سے پیکے راہ پکڑی
اڑتا ہوا واں سے دور جاکر
تپے سے وہ زخم سب بھرایا
غوطہ جو لگا کر سر اٹھایا
مردے کی رہی نہ کچھ علامت
سختی سے دکھاتا تھا مفلد
بیچارے چلے کسی طرف کو

دو دو دھا بکا دو ہا پپیا کہا لو
گلخن سے دھواں دھویں اُکل
بے روشنی اندھے ہو گئے وہ
شب کاٹ کے صبحدم سدھارا
میں تجربہ کر چکی جہاں کا
ہے طرفہ طلسم اس جگہ پر
اک سانپ ہو واں پہ چوٹ کرتا
تا حوض نہ دم قدم چلا جائے
اور پھر لگا لگا کے یہ غوطا
اڑ کر یہ اُسی شجر پہ جائے
پہلے تو یہ لال پھل کو کھائے
پھل پکا اسے دیرہیگا کل کو
لکڑی میں اثر یہ ہے کہ دشمن
اڑتا پھرے جیسے مرغ پر سے
پتے کی صفت بیان کیا ہو
لگتی نہیں بھوک پیاس تنکو
کالے نے جہاں سر کی سیاہی
پھل کھا کے بشر کا روپ پایا
ہاتھ آ گئی عصا کی تاثیر
ٹھیرا دم لینے اک جگہ پر
اک حوض پر آ کے اُس نے دیکھا
وہ حوض وہ آب کچھ نہ پایا
حوض اسکے ہوئی یہ دیکھتے ہی
چھاتی یہ دھرا کچھ اسنے پتھر
آگے سے جوان اک خوش قد

آتا تھا دونوں کی جیسے آمد
بارے جو پڑے گھر اسکی بنفید
غوطہ کسی حوض میں لگایا
مردی نے جو پھر وجود پایا
قبضے مین پھر آئی کھوکی شمشیر
تھا مردم دیدۂ طلسمات
پستان سے فدا اسکا نخل تابوت
گٹھا لئے سر پہ لکڑیوں کا
وہ روسیہ اس کو سمجھی شوہر
حیرت زدہ شاہزادہ ناچار
ہلکا ہوا پھینک پھانک بوجھل
غوطہ جو لگا کے سر ابھارا
بولا وہ کہ شکر ہے خدایا
یارب یہی اب میں چاہتا ہوں
اُس پانی سے منہ و ہاتھ دھوئے
کھائی تو شجر کا گوند تھا پاس
اک دیو سیاہ تھا لئے گرز
اس دیو کے آگے سے بڑھا وہ
فوارے کی طرح رو رہی تھی
دیکھا جو پری نے آدمی زاد
کہا جائیگا دیو بھاگ یان سے
بولی وہ پری کہ جا کہاں ان
تم اپنی کہو ہماری کیا ہے
بولی وہ حسین کہ میں پری ہوں
روح افزا جسکی ہوں میں دختر

باہم زن و مرد نے کیا میل
امید سے رہ گئے وہ نومید
اُبھری تو نہ حوض تھا نہ وہ روپ
پشانون کو بے نمود پایا
گو شمع بنا چراغ دامن
خال رخ و رنگ رو مساوات
زنبور سیاہ خال اس کے
چلتی تھی سموم کا سا جھونکا
گٹھا وہ دیا کہ بیچ لا جا
راہی ہوا سر پہ رکھ کے اینار
وان سے بڑھا تو ایک چشمہ
پایا وہی رنگ و روپ سارا
خورشید مرا گہن سے چھوٹا
یہ چشمہ پھر آنکھ سی نہ دیکھوں
یہ کہ کے کاندی رکھ کے لاٹھی
کیا دخل کہ بھوک لگتی یا پیاس
ٹوپی وہ سر پہ چھال کی تھی
سایہ سا پہاڑ پر چڑھا وہ
پر جوش و خروش اُسے جو پایا
آہستہ کہا کہ خانہ برباد
بولا وہ بشر کو دیو کیسا
سر پر ہیں ترے قضا کے سامان
کیوں روتی ہو کسکی یاد میں ہو
اس دیو کے بس مین آگئی ہون
سردار کروڑ دیو نکا ہے

دریا سے ملا وہ قطرۂ زن سیل
جب من کے نہانے کا دن آیا
پانی کے عوض تھی دشت کی دھوپ
ترکش پہ نگاہ تھی تو تھا تیر
روشن نہ ہوا وہ رنگ و روغن
اک دیو تنی مردہ دل سے مبہوت
برگد کی جٹائیں بال اُسکے
شہزادہ کہ تھا کرے یہ منظر
کچھ نہیں دیر جلد آ جا
جب بڑھ کے ہوا نظر سوا دھبل
پر آب تھا چشم منتظر سا
کھویا ہوا مال ہاتھ آیا
رنگ آئینہ بدن سے چھوٹا
نادان ہو جو آبرو کو کھوئے
گھوڑون پہ ہوا کے باندھی کاٹھی
دیکھا ناگاہ کوہ البرز
عریانی میں پردہ حال کی تھی
گریاں لب حوض اک پری تھی
رو پوش نے تاج سر اٹھایا
رشتہ ترا کھو گیا کہاں سے
ہم کو تو ملا نہ کوئی ایسا
بولا وہ کہ بیقراری کیا ہے
کیا رنج ہے کس فساد میں ہو
فردوس کا بادشہ مظفر!
سلطان ارم مرا چچا ہے

اک دن میں چلی چچا کے گھر کو
اب تک تو خدا نے ہے بچایا
پوچھا اُس نے کہ آدمی زاد
یا بحر فسون میں ہوا غرق
بولی وہ کہ چھوٹتے اگر ہم
وہ دیو کہاں کہاں تو انسان
بولا وہ کہ جی بجھا نہ جانی
دب جاتی ہے مشت خاک سے آگ
تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی
موسیٰ کا عصا سے اژدہا ہے
ٹوپی جو اُتار لی تھی سر سے
ظاہر ہوا ٹوپی کو اٹھا کر
تسکین جو ہوئی پری کے جی کو
اُچکا تو ملا ہوا پہ جا کر
بدلی میں چھپی وہ ماہ روشن
حیرت زدہ آدمی پہ لپکا
دیکھا جو نہ دیو نے گذارا
تاثیر سے پیل کے بن گیا پھول
غل کر کے زمین پر گرا دیو
لاٹھی سے ہوا وہ برق خرمن
سرمہ کیا کوہ پیکرون کا
چومے قدم بشر پری نے
فردوس میں جا کے صورت حور
انسان کی وہ مرومی جتائی
پوچھا وہ کہ ہے کہا یہاں ہے

ماندی تھی بکاولی خبر کو
نام اس سے بکاؤلی کا سن کر
تو کیون رو یا کہا کہ فریاد
واں پھانس چبھی ہوا اسکو غم کی
رکھتے ترے زخم دل پہ مرہم
دیوون سے بھی لڑ سکا ہے کوئی
دیو آگ تو آدمی سے پانی
بولی وہ کہ سن کہ آدمی زاد
لاٹھی سے جدا نہ ہوگا پانی
یہ کہ کے جتائے جوہر اپنے
پھر رکھ کے نہان ہوا نظر سے
یہ شعبدہ دیکھ کر پری نے
وہ آدمی سے اڑا پری کو
شہزادے نے اپنے سر کی ٹوپی
بجلی سا عیان ہو یہ پرفن
شہزادہ کہ لٹھ سے برق دم تھا
پتھر اک اٹھا کے پھینک مارا
لٹھ اسکا پڑا تو وہ ہوا چور
موجود ہوئے ہزارہا دیو
موسیٰ کا عصا تھا لٹھ جو انکا
جی چھوٹ گیا دلاور نکا
شہزادے نے تاج سر پہ رکھا
ماں باپ سے آملی وہ مہجور
سن سن کے اڑے حواس انکے
پوچھا کہ کہاں کہا یہاں ہے

رستے سے یہ دیو پھانس لایا
رونے جو لگا وہ سر کو دھن کر
واں خرمن عیش پر پڑی برق
یاں سانس نہیں ہی ایکدم کی
بولا وہ کہ چل کہا کہ نادان
سائے کو پکڑ سکا ہے کوئی
ہر چند کہ انس و جان میں ہی لاگ
وہ دیو ہے تیزی کیا ہے نبیاد
بولا وہ کہ یہ جو لٹھ مرا ہے
سامان دکھائے یکسر اپنے
لٹھ کاندھے پہ رکھ ہوا یہ جاکر
اُڑ چلنے کے پائے کچھ قرینے
وہ دیو پری کو اُڑتے پا کر
جلدی سے پری کے سر پہ رکھ دی
وہ دیو کہ تھا پری پہ لپکا
بادل سا ہوا کا ہمقدم تھا
وہ سنگ گراں حریہ غول
جسطرح عصا سے جام بلور
بادل کی طرح جو اُمڈے دشمن
ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانکا
ٹوپی کو اتار کر پری سے
لٹھ کاندھے پہ دل سفر پہ رکھا
دیونکی وہ سرکشی سنائی
ئے نہ یقین تھا اُن کے
سنتے ہی اُس نے تاج اٹھایا

حیرانوں کو شعبدہ دکھایا
تن خاکی تھا جان آتشین تھی
کی آؤ بھگت سمجھ کے جوگی
قدموں پہ گری کہا ادب سے
ہے جملہ جہان کا مالک اللہ
بولی وہ کہ حق ہے جو ہے فرمان
شرتی مثل میوہ ہائے تر کھاؤ
سیاح کو کیا قیام سے کار
اب دیر بہت ہے تو بہتر
آرام کرو کرو کرو آؤ
آرام کی جا قرار پائی
تھا اپنے ہی وہ سوچ میں وہ سنسان

بال اُسکے وبال سے بڑے تھے
عریانی قبائے پوستین تھی
حسن آرا اُس پری کی مادر
حرمت رہی آپ کے سبب سے
قادر وہی کبریا وہی ہے
تم وقت کے اپنے ہو سلیمان
بولا وہ کہ اشتہا کسے ہے
شبنم نہیں جاگزین گلزار
روح افزا بول اٹھی اجی واہ
ہم رام ہوئے نہ رم کرو آؤ
اصحاب نیاز کھانے لائے
دھن راگ کی تھی ترنگ کا دھیان
بے فضل وہ بھاگ خوش نہ آیا

ناخن بھی ہلال سے بڑے تھے
صورت سے فقیر تھا بردگی
باپ اس کا بادشہ مظفر
بولا وہ خدا خدا کرو واہ
آخر وہی ابتدا وہی ہے
کھو کھراؤ لطف فرماؤ
کھانے کا مزا رہا کسے ہے
درویش رواں رہے تو بہتر
ہم جانے نہ دیں گے تمکو واللہ
مجمع سے الگ مکان میں لائی
ارباب نشاط گانے آئے
بیوقت وہ راگ خوش نہ آیا

آنا بکاولی کا روح افزا کی خبر کو جمیلہ کیسا تھ اور تاج الملوک سے ملکر جانا سات دن بعد

بچھڑوں کا جو ملنے کا بیان ہے
مژدہ شاد ارم تک آیا
وہ ساکن خانۂ سلاسل
خواہان یہ ہوئی کہیں بھی چلنی
تخت اُنکے سوار ہونکے آئے
دخت اس کی بکاولی عقیلہ
کہ سن کے مبارک و سلامت

یوں خامہ خوشی سے تر زبان ہے
جانا تھا یگانگی میں لازم
یعنے وہ بکاولی بے دل
سنکے قیدی کی زار نالی
اُڑتے وہ ہوا کے جھونکے آئی
روح افزا سے ہوئیں بغلگیر
بیٹھ اٹھ کے ہوئی جمیلہ رخصت

روح افزا کو جو کھو کے پایا
چلنے کو ہوئی جمیلہ عازم
کہتی تھی کہ تیر پیچ سے نکلتی
زنجیر کے پیچ پیچ سے نکالی
بانوئے شہ ارم بہ امید
صورت پوچھی کہا کہ تقدیر
روح افزا نے کہا چچی جان

تم جاؤ رہیں بکاولی جان
یہ کہہ کے وہ وحشت مجسم
بہتر کوئی جا نہیں چمن سے
چل پھر کے ہنسی ہنسی میں پوچھی
میں نے یہ سُنا ہے کہ تو ہے دلگیر
سمجھی وہ ہنسی کہا سخن ہے
پیارا وہ ہو دیگا تمہارا
بولی وہ کہ آشنا تمہارا
بدراہ نہ کر سکیگا کوئی
وہ جوگی وہ دھونی اور وہ سن
کوشش کا اثر کشش کی تاثیر
دونو کا بدل تھا وصل منظور
دریا رو یا سنا کے افتاد دا
رو رو کے بکاولی دل افگار
دیدے مرے نقش پا تھے تیری
خم چشم بھری تھی مثل مژگان
زنجیر کا گھر مکان تھا میرا
سختی سہی یا کڑی اٹھائی
نکلا ہی کدھر سے آج خورشید
یہ کہہ کے ملے بہم وہ ایسے
صحبت کا مزا ہوا دو بالا
جب بیٹھے ہوس نکال کے وہ
محرم کا ہے کام پردہ داری
کیا جانیں ابھی بدا ہے کیا کیا
ایک ہفتہ رہے انیس و ہمدم

خاطر سے کہا کہ خیر بیکسن
آہو سی ارم کو گر گئی رم
گلگشت کریں چلو کہا خیر
کھونا ملنا بہن یہ کیا تھا
واللہ کہ چھان کر خدائی
ناداں ہو کیا کہوں بہن ہو
پیارا جو نہ تھا تو کھو گئیں کیوں
پیارا نہیں پیار یکا ہے پیارا
جو چاہو کہو جواب کیا دوں
دکھلایا تو تھی اس کی جوگن
روح افزا اُن کے بیچ ہیں واں
مانند حجاب ہو گئے دور
خاطر کی کدورتیں عیاں کیں
بولی کہ خدا کو علم ہے یار
مشکل مجھے اپنا تھامنا تھا
ہم سایہ تھی سب کشیدہ داماں
جو کہ کے سخن پکارتا تھا
افتاد تھی جو پڑی اٹھائی
کیوں منہ پہ شفق خوشی سے ہے دلی
صفحے خطِ تو امان کے جیسے
دربان سی تھی در پہ روح افزا
وارد ہوئی دیکھ بھال کر وہ
وہ بولی مجھے تو کچھ نہ آیا
اس عمر میں سیکھنا ہے کیا کیا
سمجھے ہفتہ کی میہمانی

بے جاؤ لگی خود میں ساتویں دن
روح افزا نے کہا بہن سے
کیا جانی کہ ہو گی سبز میں سیر
روح افزا نے کہا کہ ہمشیر
تیرے پیارے کو ڈھونڈ لائی
ہمکو یہ ہنسی نہیں گوارا
بدراہ بھی آپ ہو گئیں کیوں
گر اُسکی تلاش میں ہیں کھوئی
قائل نہیں ہوتی ہو دکھادوں
دیکھا تو دیکھا رہی ہے تقدیر
قالب تھی میان جان و جاناں
وہ غرفہ مجر ظلم و بیداد
چشموں کی وہ صورتیں بیاں کیں
پھرتا تھا تو چشم وصل ہیں میرے
ہر وقت قضا کا سامنا تھا
گھر میں رہنا گراں تھا میرا
پتھر سا کھینچ مارتا تھا!
طالع سے کسے تھی ایسی امید
کیا شام وصال راہ سے بھولی
اک جان دو تن تھے سرو بالا!
تھا پیش نظر حیا کا پردہ
بول اُٹھی بکاولی کہ واری
تمنے مگر اب تو ہے سکھایا
بارے وہ مہ دو ہفتہ باہم
ہر ہفت عروس شادمانی

وعدے پہ جمیلہ ساتوین دن
ہوش اسکے روان ہوئے کہے تو
دامن کو پکڑ کے روح افزا
کچھ خیر ہے تمکو ہوش میں آؤ
کار مشاطہ خود نہ کیجے
بیدل نہ ہو قول لو قسم لو
سوچا تو نہ تھا صلاح او لجھنا

آئی تو تھا حیلہ غیر ممکن
چاہا کہ وہ تاج رکھے سر پہ
بولی کہ کدھر کیا ارادہ
نافہمی سے خواہ ہو چکے ہو
انگارے کو ہاتھ سے نہ لیجے
گبھراؤ نہ پا کے نامرادی
دانائی تھی بات کا سمجھنا

ساتھ اسکے روان ہوئی گلدہ
رہیے روپوش ساتھ چل کر
الفت کے بہت نہ خوش ہیں آؤ
اب تو یکھو کہ کھو چکے ہو
جلدی تمہیں کیا ضرور دم لو
غم کھاؤ جو چاہتے ہو شادی
. . . .

پیغام دے جانا حسن آرا کا بکاولی کی شادی کیواسطے

بیدل نے جگہ جو جی میں پائی
مان سے بولی کہ حسن آرا
حسن آرا نے کہا کہ بہتر
ہے عشق بکاولی کا روگی
رازان کا کیا جو آشکارا
کھچوائی اس آدمی کی تمثال
چھپرا کہ ہو مہ سے عقد پروین
بھیجے وہاں تک نہ چھلکے جس میں
سودا ہے مری بکاولی کو
یک جا نہیں رکھتے آگ پانی
کاوش تری بے ثبات ہے یہ
یہ جان دے گیا کر یگا قاضی
تجویز کی آپ کے ہین قربان
شعلہ کو کیا ہے کسنے خاموش

یوں خامے نے کی زبان کشائی
واجب ہے ادائے حق مہمان
جو اپنے سے ہو نہیں مین باہر
میں اسکے سبب بچی ہون جی سے
راضی ہوئی سنکے حسن آرا
وہ صورت حال رم میں لائے
پیوند نہال گل ہو نسرین
بولی وہ جمیلہ کیا بتاؤن
ہے چاہ بشر کی باولی کو
حسن آرا نے کہا جمیلہ
سو بات کی ایک بات ہے یہ
بولی وہ جمیلہ ہوش مین آؤ
لیجائے مری پری کو انسان
اسباب نہ جمع کر ضرر کے

وہ شکر گذار روح افزا
احسان کا عوض نہیں جز احسان
بولی وہ کہ یہ فقیر جوگی!
یہ میرے سبب ملے پری سے
بلوا کے مصور اک کہن سال
خلوت میں جمیلہ پاس آئی
واجب نہیں اب تامل اس میں
تو اپنی ہے تجھ سے کیا چھپاؤں
مشہور ضد انس جانی!
مجھ کو یہ نہیں پسند حیلہ
دو دل جو ہوں چاہیے یہ راضی
جا کر کسی اور کو یہ سمجھاؤ
حسن آرا نے کہا کہ خاموش
رکھ پنبہ نہ داغ پر شرر کے

بولی وہ جمیلہ پھر کروں کیا
انسان ہے تو کیا مضائقہ ہے
یہ قطرۂ بحر کبریائی
افسوس جو آدمی نہ سمجھے

وہ بولی نہ سمجھی کہتی ہوں کیا
انسان ہی تھے حضرت سلیمان
دریا ہے جو ہوئی آشنائی
دم دھاگے ہیں رشتۂ نفس کی

جب دل ہی پری کا آگیا ہے
انسان ہی تھے مسیحؑ دوران
کیا شکوہ اگر پری نہ سمجھے
پھندے میں پھنسا ہے پیش دیکھے

بیاہ ہونا بکاولی کا تاج الملوک کے ساتھ اور رہنا ارم میں

شادی کیلئے ہے کلک شجرف
دکھلائی جمیلہ کو وہ قصور
بولی کہو کیون کہا کہ مانا
ہم نے تو سمجھ کے کچھ کیا ہے
جب سونے کو وہ محل میں آیا
لے آئے اُڑا کے اس پری کو
دیکھا تو نہ فرق تھا سرِ مو
قسمت کا لکھا تھا آگے آیا
پیارے سے نہ ہو خلاف وعدہ
کرتی تھی اسی کے روح نظارہ
جانا کہ بہارِ فضل سے ہے
شرمائی لیجائی مسکرائی
سج دھج یہ بھی اُدھر بنائی
ساعت ٹھہرائی دن دکھایا
راتوں کو جو گنتے تھے ستارے
یان سبز ہوا نہال امید

انگشت قبول دیدۂ حرف
پہچان کے تمال وخط سے انداز
پر کھوئے ہوئے کا کیا ٹھکانا
ٹھہری یہ غرض کہ آج کی رات
افسانہ عشق اسے سنایا
تصویر بشرِ دکھائی اس کو
جانچے خط و خال و چشم و ابرو
کہنے لگی دل مین یا الہی
کیا سوچتی ہو نصیب اعدا
روح افزا کا آگیا دھیان
یہ نقل مطابق اصل سے ہے
حسن آرا نے کہا مبارک
بن ٹھن کے بنا اُدھر سے آئی
شادی کی خبر سے خوش خوش آئی
دن گنتے لگے خوشی سے سارے
وہ وہان پہ گلاب سے نہائی

حسن آرا جو تھی نیک تدبیر
وہ چپ جو رہی تو یہ سخن ساز
وہ بولی کہ اس سے تجھ کو کیا ہے
فیروز شاہ آگے چھیڑے بات
یاد اس نے کیا بکاولی کو!
شادی کی خبر سنائی اس کو
نقشے سے وہی نگار پایا
شرہو نہ کہین یہ خیرخواہی
دیکھا تو وہ بھیدی حسن آرا
تسکین ہوئی آئی جانمیں جان
اقرار مین تھی جو بے حیائی
ایجاب اس نے کیا مبارک
سیارہ سناس کو بلایا!
مشتاق کو خوش خبر سنائی
وان مہندی نے چوٹے پائے خورشید
یان تازگی آبرو نے پائی

وان غازے سے رخ مشفق مین خورشید
یان چاند سے روشنی دوچندان
وان زلف نے کھائے پیچ پر پیچ
سہرا ہوا یان حجاب عارض
محرم کی کسی کٹے ادھر بند
آرائش تخت گل یہان تھی
مہتاب سے چاندنی کا وان فرش
یان روشنی کے تھے تخشا ے
وان پریون مین ذکر آدمی زاد
گلرنگ کسی کا تھا ہوا دار
وہ ماہ کہ تھا سوار شبدیز
کی سب نے ادھر سے پیشوائی
باران گلاب و بارش گل
نوشہ مسند پہ جم کے بیٹھا
گل سے خوانون مین زردہ لایا
منہ ہاتھ ہر ایک کے دھلائے
جب عقد کی انکے ساعت آئی
وہ جان پری یہ آدمی زاد
زلفین ہوئیں چہرہ کی بلاچین
اسپند نگاہ بے بدل تھا
جو گاتین تھین شہانے گائین
بول اٹھین مبارک و سلامت
سیان کہ ہزار ہا بھری تھین
دروازون سے بند کرلین آنکھین
مستانہ ملا دولہن سے نوشاہ

یان جھگیا منہ پہ رنگ امید
وان مانگ سے مانگ کہکشان ماند
طرفہ کلغی پہ یان تھا سرپیچ
زیبا ہوا وان بدن پہ گہنا
ہمت کا ادھر بندھا کمر بند
الماس کے وان تھے چہار فانوس
یان چرخی سے چرخ میں سر عرش
بادل سی وہ وان گرج رہی تھی
نوشہ کے جلو میں یان پریزاد
ہاتھی تھے تو ستیونکے دھت تھے
تھا پا پر کاب شوق مہمیز
فیروز و مظفر ایسے دو شاہ
جو کر بڑھے آگے باتجمل
ہر جا سے نیے کا شور و غل تھا
ان غنچہ دہانون کو کھلایا
قلیان پئے مشکبو دھوآن ھا
دو نتھنون میں اک گرہ لگائی
حیرت نے آئینہ دکھایا
ٹوٹا وہ نگاہیں سحر آگین
جوڑی جو ملی بنے بنی کی
لیتے ہوئے نیک راگ لائیں
پیارا تھا بنے بنی کا جوڑا
ارمان سے سب وہان سے نکلین
طومار حجاب کو کیا طے
صحبت ہوئی دخت رز سے دلخواہ

افشان ہوئی وان ستارہ افشان
یان شملہ سر سے ہالے میں چاند
آنچل ہوئے وان نقاب عارض
یان خامہ وفا کا اپنے پہنا
وان گل سے بہار بوستان تھی
یان جلوہ فروش تخت طاؤس
وان جلوے حنائی انگلیون کے
یاں دھوم سے باجے بج رہے تھے
گلگون تھا کسی کا بادرفتار
گھوڑی تھی تو چابکی لت تھے
درتک جو برات ادھر سے آئی
پرنور تھے جیسے مہر اور ماہ
سلطان فرد زرشک جم تھا
سنبل کا چنور تو چتر گل تھا
خورشید سا آفتابہ لائے
بیڑے چکنے پان کے مزیدار
یک جا کیے وہ عروس و داماد
شربت دیدار نے پلایا
جو چہرۂ آتشین پہ بل تھا
سنگت ہوئی راگ راگنی کی
حق پا کے جو رکھتی تھی ندامت
خلوت میں دولہا دلہن کو چھوڑ
بے پردگی ہوتی تھی جو انہیں
ساغر پہ جھکا وہ شیشہ مے
مست آنکھیں تھیں رشک جام سرشار

لبریز ہوئی شراب دیدار
جب اوڑھی عروس مہ نے چادر
خورشید نکلتے ہی سدھارے
منہ گھر کو براتیوں نے موڑا
یاں رخ پہ عرق گلاب پایا
وہ راگ کا دیکھنے لگا رنگ

گردن بھی صراحی مے ناب
نکلا پردے سے شاہ خاور
لینے دولہا دلہن سحرگاہ
محظوظ دولہا دولہن کو چھوڑ
واں جوڑا جیست ونتگ بدلا
یاں پردنیں چھیڑی خوش آہنگ

ہاتھ آئی وہ بہر مستی خواب
ثابت جو شب کو تھے ستارے
نکلے آرام گاہ سے دلخواہ
وہ حوض گلاب میں نہایا
یاں جوڑے کے منہ کا رنگ لا
. . . .

رخصت ہونا تاج الملوک کا بکاولی کو لیکر اور آنا گلشن نگارین میں

غربت سے جواب سر وطن ہے
سوچا کہ میں نیا خانہ داماد
خلوت میں ہوا پری سے گویا
بو شعلہ کی سوئے آسمان ہے
چلیئے گا تو ساتھ میں بلا عذر
ماں باپ کے پاس دختر آئی
وہ نینوں تھے قوم کے پریزاد
غربت سے وطن کی چاہی رخصت
عوطے میں جو آ گئے وہ یکسر
اب کیجے ہنسی خوشی سے رخصت
لازم جو ہوا اس میں کد نہ کیجے
خورشید کے ذرے ذکیا پست
یہ کہ کے منگائے دو ہوادار

کلک دو زبان پہ حرف زن ہے
غربت میں وطن کی دھن سمائی
دنیا میں ہیں سب وطن کے جویا
عزم سفر وطن سمجھ کر!
رہیئے گا تو بندگی میں کیا عذر
ہوتے ہی دو چار خویش و دختر
چو تھا ان میں یہ آدمی زاد
فرخندہ جمیلہ پایا بو
بولی ماں باپ سے وہ دختر
دعوے نہیں کچھ دیے ہوئے پر
سائل کا سوال رد نہ کیجے
انسان سے جھکے پری کی گردن
سو دیو بلائے باد رفتار

شادی ہو کر وہ خانہ آباد
اوس فیل کو یاد ہند آئی
پانی نہ خاک گو روان ہے
بولی وہ بکاولی کہ بہتر
ہاتھ اس کا پکڑ کے باہر آئی
دو سے ہوئے چار اس جگہ پر
چومی اس نے زمین خدمت
دونوں ہوئے سن کے سرنگوں
پردیسوں سے جو کی ہے نسبت
قائم رہیئے کئے ہوئے پر
بولی وہ کہ بخت تھا زبردست
کانٹے سے رکا ہوا کا دامن
ہو کر دیو دل کی زیب دوش

رخصت وہ اِدھر ہوئے اُدھر ہوش
سونپا مختار کو جو مجبور
تھا آپ وے ہوئے خوش سے آباد
پہچان کے سب نے غل مچایا
محمودا لپکی دوڑی دلبر
دلبر یہ وہی بکاولی ہے
بولی کہ گھر ہوا منور
اِن مختصروں نے جب دیا طول
خوش پوش ہے ایک جوڑے دو چار

اشگون سے شگون لیا نرالا
گھر پاس تھا اور وہ منزلوں دور
خیل و خدم اس کے منتظر تھے
آیا تاج الملوک آیا!
پوچھا خوش خوش کہا کہ دم لو
محمودا دیکھ کہا پری نے
محمودا نے کہا مبارک
بولی و بکاولی کہ معقول!
درجے درجے رہیں وہ ذی ہوش

آئینہ رُخ پہ پانی ڈالا!
آئے تو وہ باغ سمر بنیاد
مانند حواس منتشر تھے
داخل جو ہوئے محل کے اندر
دیکھو یہ کون ہیں قدم لو
سبحان اللہ کہ کے دلبر
خوسنود ہوئی آشنا مبارک
یہ سمجھو تو کچھ نہیں ہے تکرار
ہمخانہ و ہمدم و ہم آغوش

طلب ہونا بکاولی کا راجہ اندر کی محفل میں اور آگاہ ہو کر ہمراہ جانا تاج الملوک کا

تقدیر سے ہیں جو شادی و رنج
ہے خرمن عیش پر شرر ریز
تقدیر سے جب مراد پائی
خلقت ہے وہاں کی زندہ دل ایک
مفتوں وہ قضا سے اسقدر ہے
روحانیوں کا نشیمن اس میں
راجہ کہ کمال پارسا ہے
نغمے سے ہے ذوق شوق اسکو
باری باری سے جو پری ہے
باری یہ پہونچ سکی نہ بیمار

اب یوں نئی خامہ ہے نوا سنج
یک چندہ وہ مہ کفی کا دشمنیں
راجا اندر کو جو یاد آئی
اندر ہے بادشاہ اِس کا
اُس بستی کا نام امرنگر ہے
کہتے ہیں مورخان ہندی
مقبول جناب کبریا ہے
انسان کا سرود رقص کیا ہے
راجہ اندر کی مجرئی ہے
اک شب راجہ تھا محفل آرا

ازبسکہ یہ چرخ فتنہ انگیز
گذری اِک عمر خواہشوں میں
اندر اس امرنگر ہے شہر ایک
آسن ہے تخت گاہ اس کا
یزدانیوں کا ہے مسکن اسمیں
آباد ہوا یہ ہے یہ بستی
خالق نے دیا ہے فوق اِس کو
پریوں کا ناچ دیکھتا ہے
لیکن جو بکاولی دل افگار
یاد آئی بکاولی دل آرا

پوچھا پریون سے کچھ خبر ہے
آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی
بولا وہ کہ چپ ہو کیا سبب ہے
رشتہ اک آدمی سے جوڑا
پریاں اُڑ بن اوپر اوپر آئیں
گل ٹپکتے تھے آفتاب و مہتاب
غافل جو موکلون نے پایا
اندر کے اکھاڑے کی پری تھین
اُٹھی اُسے جی کی طرح چھوڑا
لرزاں لرزاں مقابل آئی
بو آتی ہے آدمی کی بے جا
منہ دامن اشک تر سے ڈھانپا
کافور سے جل اُٹھی سراپا
جھونکا اُسے آگ میں جلن سے
جس جسم پہ تھی نفیس پوشاک
چھینٹے سے جلی ہوئی جلائی
ناچی گائی غریب ناچار
راجا کہ وہ صاحب کرم تھا
رخصت پاتے ہی وہ ہوائی
شب کی پوشاک پہنی ساری
یوں سیج پہ آکے سوئی بیتاب
یعنے تاج الملوک بیہوش
دیکھا تو وہ متصل نہیں ہے
جھنجلا کے پلنگ سے اُٹھا شیر
عورت تھی گمان بد سے کھٹکا

شہزادی بکاولی کدھر ہے
چتون کو ملا کے رہ گئی ایک
بولیں وہ کہ کہئے بے ادب کیا
وہ سن کے خفا ہوا کہا جاؤ
مہتابی پہ مثل ابر چھائیں
ہم بستر آدمی پری تھی!
اوس نقش مراد کو جگایا
بولیں کہ طلب کیا ہے چلیے
بدلا مانند رنگ جوڑا!
راجا نے نگاہ کی غضب سے
ناپاک ہے آگ اسے دکھلاؤ
پریون نے کشاں کشاں نکالا
ٹھنڈی ہوئیں تھا جنہیں جلایا
جس رخ پہ تھی کاکل بمعنہ!
شعلے کے سوا نہ کچھ تھا خاشناک
شعلہ سے زیادہ پاک دامان
اغیار ادا سے کر لیے یار
بولا جا یون ہی آئیو روز
پر ان پر ان ہوا سے آئی
بیتاب آرام گاہ تک آئی
جس شکل سے آئے آنکھ میں خواب
اس شب کو بغل میں آکے جاگا
پہلو میں جگر کے دل نہیں ہی
دائیں دیکھا نظر نہ آئی
جانا کہیں دل کسی سے اٹکا

مُنہ پھیر کے ایک مسکرائی
ہونٹھون کو ہلا کے رہ گئی ایک
ناتا پریون سے اس نے توڑا
جسطرح سے بیٹھی ہوا اٹھالائی
دیکھا تو وہ دو لو کرتے تھے خواب
سائے کے بغل میں چاندنی تھی
جاگی تو سب اسکے جوڑ کی تھیں
جوڑا یہ خراب ہے بد لیئے
ساتھ اُنکے وہ تا بہ محفل آئی
پوچھا کہ یہ بیحیائی کب سے
شعلۂ سا پری کا جسم کانپا
صندل آتش کدے میں ڈالا
جو آتش گل نہ لے چمن سے
تھا چشم زدن میں دود اُٹھ کر
عیسٰے نفس ایک خضر آئی
آکر ہوئی انجمن میں رقصان
برخاست کا وقت صبحدم تھا
جل بجھ کے صدا سنا ئیو روز
لیٹو از کنار حوض اناری
ہمخواب کی آنکھ بند پائی
وہ آ ہوئے مست خواب خرگوش
پہ دوسری شب وہ جا کے جاگا
جاحت کی کمان سے جب ہوئی تیر
بائیں دیکھا کہیں نہ پائی
اژدر نظر آیا در کا سا

سمجھا وہ پلنگ چار پایہ
جاگا تو پری بغل میں پائی
گویا کہ وہ شب کا حال تھا خواب
معمول سے بزم میں ہوئی جمع
دل اُسکا بھرا تھا جام کیا لے
بولا کہ ہیں درد سر کے کچھ طور
شیشہ ہوا چور سارا
بیداری شب کی گھات پائی
چھڑا نمک اُن جرا حتو پیر
پریوں نے ہوا سے تخت اتارا
پوشاک بدلنے کو گئی وہ
بن ٹھن کے جب آئی رشک ناہید
پہنچی اُس بزم میں سمان پر
پلکے پہ پونچ کے تخت ٹھہرا
پھینکا اُسے پھول سا اُٹھا کر
فریاد نہ کرنے پایا مضطر
دل لینے ادھر چلی دل آرا
محفل میں جو آئی شمع محفل
مجرے کو اُٹھی وہ صورت ناز
رقص اِسکا اگرچہ خوش نما تھا
لیکن طبلہ نواز کی بلائیں
اُس نے جو پکھاوج اِسکو دیدی
سب آنکھ ملا کے کہتے تھے آ
انداز سے اس نے ٹیکے مالا
برہم ہوئی بزم اُٹھے سب اکبار

آنکھوں میں جو چھا گیا اندھیرا
وہ نقش وفا عمل میں پائی
جب مہر فلک گیا لب بام
مینائے کباب و مجمر و شمع
ٹھانی تھی کہ آج رہ کے بیدار
میں آج بنونگا شامل دور
ہوتی ہے جو نوک شیشہ نشتر
حکمت سر دست ہاتھ آئی
بند آنکھیں کئے ہوئے شکر لب
ثابت ہوا ٹوٹتا ستارا
اُس تخت کا یہ پکڑ کے پایہ
ذرہ ہوا ہمرکاب خورشید
لوگوں سے بھرا ہوا وہ دائرہ تھا
مرکز پہ وہ نجم تخت ٹھہرا
شہزادہ کہ زیر تخت زرکار
تاباں ہوئے آنکھ میں سے اخگر
ہمراہ چلا وہ چھوڑ پایہ
پروانوں کا ہاتھ سے گیا دل
وہ ناچنے کیا کھڑی ہوئی تھی
سنگت کا پکھاوجی تھکا تھا
آہستہ کہا کہو تو آؤں
کیفیت اتفاق نے دی
محفوظ کیا جو سب کو یکبار
کاندھے پہ پکھاوجی کے ڈالا
سے ہار وہ شاہزادہ فی الفور

پل مارتے ہو گیا سویرا
دانستہ خبر ہو نہ بہتات
مہتابی پہ آیا مہ سر شام
جام اس نے بھرا کہا پیالے
دیکھوں جاتی کہاں ہے عیار
ہٹ اُسنے جو کی تو ہاتھ مارا
چڑکے لگے اُس کے اُنگلیوں پر
کف میں نمکین کباب لیکر
بیدار رہا تو آخر شب
سوتا اُسے جان کر اُٹھی وہ
پوشیدہ ہوا رنگ سا یہ
جاتے ہی زمین سے آسماں پر
پر صورت وصل دائرہ تھا
آتشکدہ پریوں نے بنا کر
تھا پہلو گل میں صورت خار
راجا جس رخ تھا محفل آرا
آگے تھی پری تو پیچھے سایہ
جوگاتی تھیں بیٹھیں مثل آواز
خود راگنی آ کھڑی ہوئی تھی
شہزادی نے دیکھ دائیں بائیں
فرماؤ تو بندگی بجا لاؤں
تھا سم پہ یہ اس پری کا نقشہ
بخشا را جانے تو لکھا ہار
برخاست کا تھا وہ رخصتی ہار
پنہاں ہوا زیر تخت اسی طور

باد سحری چلی چمن سے
تاروں کی چھاؤں میں گھر آئی
وہ آئی تو غافل اُس کو پایا
خنداں خنداں اُٹھا وہ بشاش
ہنستے ہنستے کہا ہنسے کیوں
آتش پہ کباب دیکھتا تھا
بولا کہ وہ رات کو افق میں
عالم میں رہو گے رونق افروز
بولی وہ بشر ہو تم دلاور
شعلۂ ہوا انجمن میں رقصاں
بولا وہ کہ جب ہوا اُجالا
وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا
کاندھے پہ تھا رات جس کو ڈالا
اوپر اوپر مزے اُڑانا
میں جا کے چلی تو غم نہیں ہائے
تم نام نہ وان پہ چلنے کا لو
بولا وہ کہ یہ نہ ہوگا مجھ سے
لیکن اُس نے کہا نہ مانا
وان جا کے وہ سوچی آسکو لاگ
گائی یہ غزل مقام پا کے

وہ شمع سدا ہاری انجمن سے
وہ حوض کے رخ چلی اُتر کر
آغوش میں آ گلے لگایا!
اُس غنچہ دہن کا مسکرانا
ہنستا ہیں بے سبب کوئی یوں
بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر
خورشید تھا آتش شفق میں
بولا وہ ایک مقام ہو تھا
سرسبز ہو قوم آتشی پر
بولی وہ کہ شعلۂ بن پری ہوں
بخشا مہ انجمن نے بالا
گھبرائی پری کہ ہیں یہ کیا ہے
پہچانتی ہو وہ طبلے والا
یہ سُن کے پری وہ سوختہ تن
ڈرتے ہیں کہ تجھ پہ آنچ آجائے
افروختہ آتش حسد ہے!
میں دو قدم آگے ہونگا تجھ سے
عازم ہوا شب کو آتے ہی تخت
لے چلتے تو راجہ لاتیکا راگ

خورشید سے پہلے اُڑ کر آئی
یہ آنکھ بچا کے سوئے بستر
جب پردۂ صبح ہو گیا فاش
بیرنگ بکاولی نے جانا
بولا وہ کہ خواب دیکھتا تھا
دلسوزی کریگا کوئی دلگیر
بولی وہ کہ ٹھہرے شب و روز
گلزار خلیل رہ و سقا!
بولا وہ کہ دیکھی اک شبستان
جھانجھ بجاؤ ناچتی ہوں
بالا مہ انجمن کا کیا تھا
بولا وہ کہ ہار تو لکھا ہے
کیوں جی یہ اکیلے شب کو جانا
بولی کہ سُن لے صلاح دشمن
میرے چلنے پہ خاک ڈالو
چلنا یہ سپند چشم بد ہے
سمجھاتی رہی اُسے وہ دانا
یا قسمت یا نصیب یا بخت
سنگت کا لکھا دجی بنا کے

غزل

ساقی قدح شراب دیدے
باقی ساقی شراب دیدے
لیلیٰ میں نے تجھے بنایا
جو چاہیے وہ بحساب دیدے

مہتاب میں آفتاب دیدے
اس بت سے نہیں سوال کچھ اور
مجھ کو مجنوں خطاب دیدے

ساقی باقی جو کچھ ہو لیلے
اپنے منہ سے جواب دیدے
اس گل سے نسیم زر نہیں مانگ

نصف ہو جانا بکاولی کا راجا اندر کی بددعا سے اور بت خانہ میں ملنا تاج الملوک سے اور کھدنا تہ خانہ کا رانی چترادت کے حکم سے

ہے اب جو بیابان سنگ ساری
گاتی اور ناچتی بڑی تھی
خاطر کی مراد بس یہی ہے
دکھلا کے اسی پکھاوجی کو
بولا کہ اس آدمی کی یہ تاب
جا تیری سزا یہ ہے کہ تو تے
اس سختی سے کچھ دنوں رہے تو
جامے میں تو آدمی کے آئے
اس وقت جہان تو چاہے جائے
تڑپا شہزادہ سر کو دھن کے
ناری تھی پری ہوا ابتائی
افتادہ کو سوچنے لگا وہ !
چشمہ اک آفتاب سا تھا
دیکھا وہ تو لشہر تو کھلکھلائیں
وہ چونک کے بولا اٹھا کہ اللہ
ہے تب سی وہ ایک مٹھ کی اندر
یہ کہ کے اتاری سب نے پوشاک
تن چادر آپ سے چھپایا
سوچا وہ کہ انکو دیکھئے جل
باہر لبعد آب و تاب آئیں
چھک چھک کے بدن چراتی آئیں
چمکائی کسی نے تیغ ابرو
بولا وہ چہ خوش تم ایسی کیا ہو

یون پائے قلم ہوا ہے بھاری
راجہ نے کہا کہ خوش ہون تجھ سے
مانگا جو لبشر پری نے بیباک
مانگا کہ یہ دو بکاولی کو
ہے چشمۂ افتاب سے آب
کی ہے حرکت خلاف آئین
بعد اس کے خاک میں ملے تو
بارہ برس اس طرح گذر کر
تو اس کو ملے وہ تجھ کو پائے
خواہش جو بلائے جان ہوئی وہ
خاکی تھا البشر زمین جھکائی
سبزی کی دھوپ چھاؤں مخمل
عاشق کی طرح بھرا ہوا تھا
بولیں یہ وہی پکھاوجی ہے
بتلاؤ کہاں ہے وہ کہا آہ
پوچھا کہ کہاں کہا بہت دور
باہر ہوئیں جامے سے وہ بیباک
بے ننگ یہ سب نہا رہی تھیں
خس پوش کئے وہ جامۂ گل
پوشاک دھری ہوئی نہ پائی
رک رک کے قدم بڑھاتی آئین
جھنجلا کے کہا کہ لاؤ مانو
ڈرنے کا نہیں میں کیا بلا ہو

خوش لہجہ بہت بکاولی تھی
جو چاہے آج مانگ مجھ سے
راجہ اندر ہوا غضب ناک
ارمان یہی ہوش یہی ہے
کھویا تجھے تیری آرزو نے
پتھر کا ہو نصف جسم پائین
قالب تیرا انقلاب پائے
پھر تجھ کو ملے پری کا پیکر
روئی وہ بکاولی یہ سن کر
ہلکا ہوا یہ گران ہوئی وہ
سایہ سا زمین پہ جب گرا وہ
صحرا میں بھی تھی سو گیا مثل
پریان کچھ ادھر نہائی آئین
عاشق جس پر بکاولی ہے
اندر کے غضب سے ہوکے پتھر
بولا وہ پھر کہا کہ مجبور
پر یہ بکا جو کچھ خیال آیا !
موجین باہم اڑا رہی تھیں
جب خوب وہ شعلہ رو نہائین
جانا کہ حریف نے اڑائی
دکھلائی کسی نے چشم جادو
ہم کو بھی بکاولی نہ جاؤ
پوشاک جو لینی ہو تو پہنچاؤ

بولیں وہ چلو کہا قسم کھاؤ
شہزادے نے کرکے پاس انکا
ہو جیسے ہوا حباب میں بند
واقف اُس تنکدلیسے یقین وہ
دیوانے کو یادلی بتائی
عقدہ کھلا شام ہو کر اُسکا
جسم آدھا پری تھا آدھا پتھر
چومے جو قدم اُس آدمی نے
کس سختی سے تم بغیر گذری
گر پڑے زمین پہ مثل شبنم
سختی اب دور ہو خدایا
یہ در مانند چشم بے خواب
کل پھر سر شام خیر سے آؤ
کانوں میں سے موتی کچھ نکالے
قدمون پہ یہ گرا بکاولی کے
نکلا جیسے ہی مٹھ کے باہر
آگے کو بڑھا چلا سوئے شہر
گھوڑا جوڑا لنفر جو بلی
لے گوہر شبنم آیا پر سوز
سیارون سے کرکے استخارہ
رگڑا انہیں ایڑیون پہ ماتھا
تقدیر نے راستہ بھلایا
غرفے میں سے کرتی تھی نظارا
یاں پردہ در نظر سے گذر
باپ اُسکا اُسکے ساتھ بیاہے

عریانی کے ننگ سے لجائیں
خلعت سادیا لباس اُنکا
شانے پہ چڑھا کے مثل گیسو
سنگدیپ اُس کو لے گئیں وہ
بُت خانہ میں تھا طلسم کا ڈر
شق مثل قمر ہوا اور اس کا
تھی ناف سے لیکے تا بہ پا سنگ
سینے سے لگا لیا پری نے
ہم پر تو پڑے وہاں یہ پتھر
پھر پریوں کی ٹھہرے ہم
تا آخر شب فسانے کہکر
ہوتا ہے سحر کو بند بے تاب
مصرف کو جو ضرورت زر
دامن پہ مثال اشک ڈالے
پاؤں اسکے چھوئے تو بیچ سے پا
پتھرا گئی چشم حلقۂ در
بازار میں جا کے بیچے گوہر
جو جو شے چاہیئے تھی لیلی
گیند گردون کا جو بے در
اُس برج کے رخ و مہ ہارا
شب سایۂ زلف میں بسر کی
راجا کے محل کے جانب آیا
دیکھا تو جوان تھا یہ تصویر
واں تیر نظر جگر سے گذرا
راجا سے خوش خبر بیان کی

ستار کی قسمیں سب نے کھائیں
پرماں ہوئیں رخت سیج کے خرسند
اُس گل کو اُڑایا صورت بو
وہ جائے بکاولی بتائی
ششدر رہا چار سمت پھر کر
دیکھا تو وہ بت تھی مٹھ کے اندر
تھا گو وہ سرین کے آگے پاسنگ
زمی سے کہا بغیر گذری
تم کیونکہ بچے کہا مقدر
جذبہ تم پاس کھینچ لایا
بولی وہ پری کہ اے دلاور
پیش از دم صبح تم نکل جاؤ
زیور مرا مجھ سے لو یہ کہکر
صدقے وہ بشر ہوا پری کے
آنسو چھوڑی گھر اٹھائے
آنکھوں سے یہ دیکھنا ہوا قہر
مفلس سے ہوا وہ صاحب زر
جب منزل شب میں رہرو روز
تابان ہوے اس میں ماہ و اختر
دیکھا تو در قبول وا تھا
لی صبح کے ہوتے راہ گھر کی
چترادت اس کی ماہ پارہ
صورت پہ فدا ہوئی وہ بے پیر
دستور تھا جسکو بیٹی چاہیئے
مشاطۂ خوش ادا اردان کی

شادی کی خبر سے وہ یکایک
دختر رکھتا ہے ماہ سیما
راضی تجھ سے ہوئی وہ بے پیر
کیسی رانی کہاں کا راجہ
لعنت میں ہے آبرو گنوانی
دور ہو میرے سامنے سے چل دور
پایا جو جواب منتظر نے
زر سے ہوا ہاتھ اسکا خالی
کیا جوہری مول کرنے اسکا
موقع جو ملا تو کیا برا تھا
من چھین کے چوری کے بہانے
زنجیر میں پاؤں زلف میں دل
وارونہ مجلس جفا نے
زندان میں ہے وہ عزیز مرتا
دانا تھی وہ جیل خانے آنی
تھی حلقہ بحلقہ زلف در زنجیر
پابند بلا و مبتلا تھا
بیڑی کٹوائی بے گناہ کی
اٹھا وہ پری کی آرزو میں
یاں دھیان کہ پتا کا پارسا ہوں
راجا نے ستارہ دان بلایا
نائب ہوا سیر کرکے کچھ کام
آیا تو وہ کب سے تکتی تھی راہ
تلوؤں سے پری کے لگ گئی آگ
توفیق یہاں تلک جو لاتی

خوش خوش آئی کہا مبارک
ہر ملک کے شہریار آئے
طالع قسمت نصیب تقدیر
دکھلا نہ مجھے ہری ہری باغ
کب چشمۂ مہر میں ہے پانی
ہٹ دیکھ کے اسکی ہٹ گئی وہ
آنکھوں میں لگا خیال پھرنے
من سانپ کا ران سے نکالا
راجہ تک رفتہ رفتہ پہنچا
جھنجھلا کے ڈرا کے غل مچا کے
بھیجا کھلے بندوں قید خانے
غم کھا کے لہو کے گھونٹ پینا
رانی سے کہا کسی بہانے
اس چاہ میں کام ہو نہ جائی
بگڑے ہوئے کو بنا نہ آئی
آنکھ اس سے نہ جب ملائی اس نے
کب اسکو خیال بند یا تھا
قدموں پہ گری کہا اٹھو آؤ
یہ سمجھی کہ پھانسا گفتگو میں
تجویز میں اپنے اپنے مفہوم
سعدین کا زائچہ ملایا
دروازے کا منہ کو دیدہ وا تھا
دیکھا تو کہا کہاں رہے واہ
پوچھا کہ بن آئی کس بنی کی
مہندی پاؤں کی گھس نہ جاتی

اس شہر کا چتر سین راجا
ہر شہر کے تاجدار آئے
بیجا وہ ہوا کہا کہ جا جا!
غنچے کی گرہ میں کیا ہے جز داغ
مکار تو مجھ سے کرتی ہے زور
قسمت کی طرح پلٹ گئی وہ
تقدیر کی بات ہونے والی
بازار آیا وہ سرو بالا!
جو مدعیوں کا مدعا تھا
سمجھا کے دیا کے دست پا کے
زندان میں وہ نیم جان و بسمل
دم کے دھاگوں سی ہونٹ سینا
یوسف کی خبر لے اور زلیخا
یہ ماہ تمام ہو نہ جائے
دیکھا تو سرنگوں تھا دلگیر
زنجیر اسکی ہلائی اس نے
رانی نے جو [illegible]لی نگاہ کی
انکار دگریز جانے دو آؤ
واں دھن کہ صنم سے کد خدا ہوں
آئی تو محل میں مچ گئی دھوم
دن ڈھل کے وہ ماہ نو سر شام
توبہ کا در کھلا ہوا تھا!
دیکھے جو حنائی ہاتھ بیلاگ
کس راہ کی نذر نذر نہ رفی کی
قدموں سے لگا لپٹا ہوا وہ

مہندی کا جو رنگ تھا کہا وہ
دامن کیلئے وہ صید ہوتا
شادی نہیں کچھ خوشی سے مانی
شادی کے بہلاۓ غم سے چھوٹا
زنجیروں سے پاؤں ہے نکالا
چھالے پڑیں کال اگر چھوئے ہوں
مری تجھے ایسی کیا لگی تھی!
آسان نہیں کڑی اُٹھانا
سہتی ہوں جہان کی سختی سستی
سنگینی گراں نہ جلے گا داغ
کب چاہیئے گی عقل مصلحت سنج
ہوتی ہے سحر چلو ہوا ہو
آیا تو وہ نوعروس زیبا
تھی چین بجبین شکن کی صورت
سوتی جو کٹی مشب جوانی!
شب کو ہوئے داخل شبستان!
دو آنکھوں کی طرح ایک جا تھے
اُٹھ چلنے کا سوچتا تھا پہلو
حیرت چھائی تو کھو گئی وہ
لپکا تو پری کے رخ گیا یہ
دوری نے جو حد سے کی درازی
گل بجھونگی کھکے سو رہی وہ
خلوتخانے سے باہر آئی
جانا ہمراہ صاحب تاج
جس وقت چلا پری کا مانوس

رانی کی وہ قہر حکم رانی
چترا وت کا وہ آپ آنا
بے تیرے تھی مرگ زندگانی
پیاری یہ نہیں حنائی چنگال
زلفوں پہ نہیں یہ ہاتھ ڈالا
بگڑی وہ کہ چل بنا نہ باتیں
تلووں نے ترے حنا لگی تھی
پتھر کی اگر کہوں تو بین ہوں
آسایش جان نہ تندرستی
قسمت سے مفر ہے اب یا من
تم تو کرو شادی ہم کریں رنج
وہ معتقد اس کے پاؤں چھو کر
بستر پہ تھی شکل نقش دیبا
سوئی تو تھی انتظار میں وہ
سوختہ نصیبی اپنی جانی
دو نو تھے تصوروں میں کھوئی
پر دل جو ملا نہ تھا جدا تھے
چپکی ہوئی پیٹھ سے وہ دلگیر
غفلت آئی تو سو گئی وہ
یہ جاگے ہوئی وہ فتنہ بیدار
جانا کہ کہیں ہے عشق بازی
وقت سحر اسکو پا کے رانی
دربانوں کے پاس در پہ آئی
سائے کی طرح سے ساتھ رہنا
سایہ سے پس قدم رہا ہوں

من بیچے اپنا قید ہونا
سب کہ گئے کہا خدا سے داز
غم تھا کہ تیرے قدم سے چھوٹا
ہاتھ ایسے ملے کہ ہو گئے لال
کالے ڈسیں بال اگر چھوئے ہوں
مجھسے کوئی سیکھے ایسی گھاتیں
تنگ آیا تو دیکھ قید خانہ
فولاد جگر کہو تو میں ہوں
اس تنگ قفس کو سمجھی ہوں باغ
پتھر کے تلے دبا ہے دامن
راضی میں خدا کی جو رضا ہو
اُٹھا چھاتی پہ رکھ کے پتھر
نیند آئی جو تھی بعید قدرت
جاگی تو ملا کنار میں وہ
تھے صبح سے دو نوں ہم بہ بالیں
خلوت خانہ تھا کو شہ دل
کردر نیک وہ عنبریں مو
آئینہ کی پشت پر تھی تصویر
غافل اُسے چھوڑ کر اُٹھا یہ
دیکھا تو تھا تکیہ جائے دلدار
اس رات کو جیکی ہو رہی وہ
ہم بستر خواب سرگرانی
حکم ان کو دیا کہ شام کو آج
جو آنکھ سے دیکھنا وہ کہنا
وہ مٹھ وہ پری مقام دیکھا

وہ برج وہ مہ تمام دیکھا
صورت یہ ہے جو نگاہ کی ہے
یکجا بت و برہمن کو دیکھا
آنکھ اسکی یہ سن کے خون میں ڈوبی
واں بولی بکاولی کہ تو جاؤ
اوڑھا وہ مٹھ حباب آسا
انعام دیا کھلے خزانے
بنیاد فساد کھود ڈالی
اب دیکھو گے جا کے خاک پتھر
دیکھا تو وہ ماہ رو وہ برج
آواز آئی کہ بے خبر ہے
کھدوا جب اُس نے مٹھ بصد جور
سنگت بجائے خویشتن سنگ
حیرت زدہ چپ خموش سنسان
گویا وہ ہوا بجوش بیابانی
دوران کا تھا انقلاب منظور
راتوں کو رہے وہ شمع فانوس

ایک ان میں سے رانی پاس آیا
ایک مٹھ میں مورت اک پری ہے
لعل و گوہر ایک درج میں ہے
مرنج بنی وہ ماہِ خوبی
یاں سے چلے لوگ واں سے ہزار
پھوڑا جلے دل کا آبلہ سا
پاس اسکا ذرا نہیں کیا کچھ
جاسوسوں نے کھود کر نکالی
سنتے ہی وہ بے قرار لپکا
وہ لعل گراں بہا نہ وہ درج
بنیاد برافگنی کی بانی
رہنے کو ملا ہمیں مکان اور
ہوتا تھا یہی تو شکوہ کیا ہے
ٹوٹا ہوا دل بندھا ہوا ان
تقدیر کو گل کھلانا تھا یوں
مختار خدا ہے بندہ مجبور
جب کامراد ہوئی وہ رانی

کی عرض کہ تو سراغ پایا
آنکھوں سے اُس انجمن کو دیکھا
شمس و قمر ایک برج میں ہے
یاں اسنے کہا وہ برج کھدواد
لپکا یہ ادھر اُدھر وہ خونخوار
شہزادے کے آگے بھیجیا نے
اور اُس سے کہا کہ تو سنا کچھ
غائب رہتے تھے روز شب بھر
دوڑ لے بے اختیار لپکا
شور اس نے کیا کہ کیا یہ شر ہے
ہے سوت مری تری وہ رانی
واں ٹھوکریں کھائی سخت تھیں تنگ
جا کچھ دنوں صبر کر خدا ہے
آیا تو ہنسی وہ سوخ رانی
تو خار سے بیخ کن ہوئی کیوں
اس دن سے ہوا وہ اس سے مانوس
گذری بہزار کامرانی

پیدا ہونا بکاولی کا دہقان کے گھر میں اور جوان ہو کر ملنا تاج الملوک سے

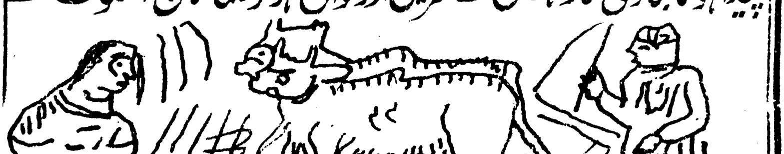

لفظوں سے ہے اب قلم کا دہقان
جیسے ہو گرد باد پر باد
جب چین سے کر چکے تز دد
کھانے لگی نوچ نوچ کر ساگ

صفحے کی زمین پہ دانہ افشان
دہقان تھے نئے زمین جو پایا
کھیتی کی ہوئی زمین پہ وا اشد
کھاتے ہی حمل کا ڈھنگ پایا

جب مٹھ کی رہی نہ بیخ و بنیاد
سرسوں کا کھیت انہوں نے بویا
دہقان کے زوجہ کی کھلے بھاگ
سرسوں سا ہتھیلی پہ جم آیا

وہ بانجھ تھی جب حمل قبولی
پیدا ہوئی اک حسینہ دختر
مشہور ہوئی وہ ماہ پارہ
یعنی تاج الملوک دل تنگ
جانا کہ پری وہ سوختہ تن
اندر کا وہ قول یاد آیا
دہقان نے کہا کہ بیری صاحب
پکتی نہیں لعل بے بہا ہے
سمجھا کہ وہ میوہ ہے ابھی خام
آیا کیا اس کو دیکھنے روز
چلتی تو زمیں میں سرو گڑتے
دہقان ہوئے خواستگار اس کے
شہزادے نے ایک دن پھر آ کر
تم کو وہ وقار ہیں پرکاہ
دہقان زادی وہ بے محابا
ہے دختر زر نصیب مے کش
یاں تو یہ حساب کرنا نقاش
آئے ایام نیک بختی
واں تھا کسی وقت کا دفینہ
تو کیا جانے بکاولی ہوں
ناگاہ سمن پری نے تخت
داماں نظر سے منہ چھپایا
واں جا کے ہوئی وہ نور آگین
جاگا تو آفتاب سر پر
منہ دیکھتے ہی بکاولی کا

سرسوں آنکھوں میں سب کی پھولی
صورت میں پری جمال میں حور
لوگ آنے لگے پئے نظارہ
چرچا سن کر چلا کہ دیکھوں
سانچے میں سے ڈھل کے نکلی کندن
دہقان سے کہا کہ سیم زر لے
یہ باتیں تمہیں نہیں مناسب
پھل سے نہیں پیڑ کو سروکار
عورت ہو جوان تو نکلے کچھ کام
دن دن اُسے ہو گیا قیامت
باتیں کرتی تو پھول جھڑتے
کہ بیہودہ پر گی اپنی دہقان
شادی کو کہا حیا اٹھا کر
صحبت ہے برابری میں زیبا
بول اٹھی کس آن سے کہ بابا
مطلب کو سمجھ کے گھر پھرا وہ
واں لوگ ارم کے گنتے تھے دن
دختر وہ پکڑ کے باپ کا ہاتھ
دکھلا کے کہا کہ لے خزینہ
اک آدمی زاد کی بدولت
وارد ہوئی اور کہا کہ رخصت
چتراوت کا محل جدھر تھا
پروانے کی اپنے شمع بالیں
اُٹھا جو وہ کہہ کے آؤ جانی
سایہ اُسے ہو گیا پری کا

ایام مفر رہے گذر کر
فلفل سے وہ مہ تھی چشم کا نور
وہ منتظر ظہور نیرنگ
دیکھا تو کہا نظر ہیں افسوں
چہرے سے پری کا ڈھنگ پایا
دولت صدقے یہ سیم بر ہے
دختر جو پسند مہ لقا ہے
جب تک کہ ہو کام کا نہیں یار
یہ سوچ کے گھر پھرا وہ دلسوز
بوٹا سے بڑی وہ سرو قامت
خواہاں ہوئے ہم وقار اُس کے
بولا کہ ہو رب کے ہاتھ سامان
دہقان نے کہا کہ یا شہنشاہ
نسبت ہے برادری میں زیبا
خواہاں سے مگر نہ ہو تو ناخوش
وقت آنے کا منتظر رہا وہ
گذرا بارے جو عہد سختی
پچھواڑے مکاں کی لیکے ساتھ
کہنا نہ کسی سے میں پری ہوں
لائی ترے گھر میں مجھ کو قسمت
رخصت اس نے سمجھ کے تخت اڑایا
سوتا تھا جس رخ وہ سیمبر تھا
بیدار کیا وہ ماہ پیکر
آواز سے چونک اُٹھی وہ رانی
بولی وہ بکاولی سیمانی!

ہے سوت مری بھی وہ رانی
چوٹی سے مری تو ہاتھ اُن کے
ہیں نزی ہوں تو کسی کا ہو خیر
اُڑتے ہی وہ تخت سحر آگین
کھوئے ہوئے جیسے سب نے پلٹے
چترا وت چتر سین کی جان
پورب کا بادشاہ زادہ
ہوتے ہی حواس خمسہ مجموع
حسن آرا اور روح افزا
ہو جو آیا بلا تکلف
مہمانوں کی میزبانیاں کیں
روح افزا سے بکاولی کو
یہ دل لگی اب لگائیگی دل

بولا کہ وہ لونڈی ہے تمہاری
چل آگے چلا میں ساتھ اُن کے
یہ بات بکاولی کو بھائی
کیا دور تھا گلشن بکارین
فردوس کی بسیوا وہ دلبر
آرام ارم بکاولی جان
پانچوں سر پنجہ وفا تھے
آمد ہوئی اقربا کی مسموع
پورب کا بادشاہ و شاد بانو
ک تا قلہ سے ملا وہ یوسف
چندے رہا مجمع بد و نیک
لفت تھی رو کی دل لگی کو
. . . .

یہ کہ کے اُسے کہا کہ پیاری
رانی نے کہا کہ گویا ہے غیر
شہزادے کیساتھ اُسے بھی لائی
مدت کے جو بعد گھر میں آئے
حمودا دیونی کی دختر
ان چاروں میں ایک مست بادہ
یا خمسۂ مطلع صفا تھے
فیروز شہ و جمیلہ دانا
اطراف سے مملکت کے میں تو
سلطانوں کی قدر دانیاں کیں
رخصت ہوا رفتہ رفتہ اک ایک
رکتا ہوا اس پری کا مشکل
. . . .

عاشق ہونا بہرام وزیر زادہ تاج الملوک کا روح افزا پری پر اور شادی ہونی بکاولی کی سعی سے اور کامیاب رہنا

جب ختم یہ داستان آئی
رو کا جو بہان کئی مہینے
وہ مست مئے فسانہ گوئی
گلگشت چمن میں تھا گل اندام
کھٹکے سے مگر بکاولی کے
نایاب ہوا بہر چشم امید
بیتابی نے کچھ قرار پایا
سائے نے پری پہ کی چڑھائی

یوں شاخ قلم شگوفہ لائی
اک شب کہ وہ زلف مہ خان کھلے
مہتابی سی چاندنی پہ سوئی
لٹکی دیکھی پری کی چوٹی
بھاگا سائے سوا اس پری کو
دیکھا تو وہ ماہ نو کا تھا برج
مجبوری میں اختیار پایا
اُس فتنہ کی خوابگاہ تک آیا

روح افزا کو بکاولی نے
یا آتش مہر کا دخان تھے
سلطان کا وزیر زادہ بہرام
ناگن سی اس کے دل پہ لوٹی
جب کاکل شب سے روئے خورشید
رکھتا تھا دُر یگانہ وہ دُرج
مہتابی پہ چاندنی جب آئی
مانندہ سہا وہ منہ تک آیا

تجویز رہا تھا گھات گون کی
مچھلی سی نکل گئی تڑپ کر
ملتی اُسے خاک وہ ہوائی
رخصت ہوئی گھر کو رکھ کے پردا
تنہا وہ سمن پری تھی اک روز
مرتا ہوں برائے روح افزا
شہزادے کو ڈھنگ کُنہ تو چل
شبنم کی ہے آفتاب کو چاہ
فردوس میں مالن ایک تھی حور
منہ بولی بہن بنائی اس کو
روح افزا کیلئے بنفشہ
بہرام نے پشت آئینہ پر
افسوس مجھے تو آرزو ہو
خود بینی سے جو کرے بچا ہے
روح افزا کا سنگار کرکے
خط سمجھی وہ کا کلوں کا سایہ
مشاطہ کو دیکھ کر اکیلی
ہوکر جو نظر نہ آئے وہ کون
بہرام اس سوچ کو سمجھ کر
بولا وہ بات کیا ہے اچھی
وہ سن کے جو دوسرے دن آئی
پوچھا کس نے بنائی ہے یہ
روح افزا نے کہا کہ نادان
جا کر طلبی اُسے سنائی
مرد کا لباس تھا زنانہ

ناگاہ وہ مست خواب چونکی
پیچھا کئے صحن تک وہ آیا
انسان کو پری نہ ہاتھ آئی
معشوق سے رہ گیا جو ناکام
قدموں پہ گرا کہا بصد سوز
بولی وہ ارے بشر بڑی ہے
پہنائے فلک نہ ہوگا بادل
واقف تھی پری کے دیس سے وہ
گل چہرہ پری بنفشہ مشہور
فردوس کے سیر کے بہانے
گلدستہ بنائی تھی ہمیشہ
تحریر کیا کہ بے مروت
اور آئینہ تیرے روبرو ہو
یہ لکھ کے ہٹا تو مالن آئی
خود اس کی ہوئی جو پیار کرکے
مضمون جو پڑھا پری تھی دانا
بولی کہ بتاؤ یہ پہیلی
سوجھی تو نہ بوجھی وہ کہا کل
بولا کیا ہے کہا اُلجھ کر
ہاتھ آکے نہ پائے جو مجذوب
تقدیر سنی ہوئی سنائی
بولی وہ کہ ہاں مجھے نہ سوجھی
ہمراہ اُسے کیوں نہ لائی تو یاں
اُس مژدہ کا منتظر ہی تھا وہ
دھوکا کچھ کھا گئی وہ دانا

آغوش کی موج سے وہ نسطر
مہتاب کے پیچھے جیسے سایہ
ہوتے ہی سحر وہ روح افزا
تھا غم سے کنار گور بہرام
دل سے ہوں فدائے روح افزا
روح افزا کیا بکا دلی ہے
بولا وہ کہ مجھ سے اس سے ہے راہ
لے پہنچی زمانے بھیس سے وہ
پوشیدہ گھر اسکے لائی اسکو
چھوڑا منزل پہ راہنما نے
حاجت گو ذرا گئی جو باہر
آئینہ ہے تجھ پہ میری صورت
لیکن تو زبسکہ خود نما ہے
گلدستہ پری کے پاس لائی
اُلٹا اُسے آئینہ دکھایا
نقش عمل نگار خانہ!
ہاتھ آکر جو نہ پائی وہ کون
کہہ دو نگی یہ کہہ کے آئی بیکل
وہ جانتا تھا نہ اس کو سوجھی
ہوکر نہ دکھلائی دے وہ محبوب
سمجھی وہ کہ پوچھ آئی ہے یہ
منہ بولی بہن نے میری بوجھی
بولی وہ ابھی چلی میں لائی
ساتھ اس کے زمانے میں گیا وہ
پوچھا کہو نام کیا کہا تنگ

پوچھا کہ نشان کہا دل تنگ
وہ سمجھی کہا یہ پردہ پوشی
رہ تجھ کو بتاؤں سحر سے گور
طوق اُس کو طلسم کا پہنایا
شب کو اُسے آدمی بناتی
اک دن پنجرہ اُڑا کے لائی
دیکھا تو مجسم آدمی زاد
لوگوں سے کہا ہٹاؤ اس کو
تقدیر کے سننے کار خانے
دیکھا تو وزیر زادہ بہرام
فردوس میں آئے لیکے اُس کو
قابل یہ جلانے کے ہے فاسق
یہ کون سی جہنم ہے چھی جان
حسن آرا نے کہا بجا ہے
جب عیب نہ تھا تو اب ہے گیا عار
مرسوم تھے جسطرح کے انداز
دوراز ادب کھلے بصد ننگ
گلزار جواہرین میں آکر
سبز شب زلف صبح رخسار

یہ سنکے اشارے سے بٹھایا
گندم کے بہانے جو فروشی
بدبین سمجھ کے گور کا نام
قمری اسے سرو سے بنایا
غماز تھی اک خواص اُسکی
حسن آرا کو وہ کل سمجھائی
گستاخ جو اُس بشر کو پایا
آتش کدہ میں جلاؤ اسکو
شہزادہ بکاولی کے ہمراہ
ہوتے ہیں تھا شکل نقرہ خام
زندہ اُسے پاکے حسن آرا
روح افزا کا ہوا ہے عاشق
پیاری کا جو اپنی ہو پیارا
تم کیوں نہ کہو کہ خود کیا ہے
کیا کہتی وہ دم بخود سنا کی
شادی کا خوشی خوشی کا ساز
شادی جو ہوئی تو غم ہوا دور
آباد ہوئی وہ یاسمن بر
جسطرح اُنہیں بہم بلایا

بادام بنفشہ کو دیکھا یا
بہرام ہے تو ارے وہی چور
پنجرہ اک لائی وہ گل اندام
دن بھر تو وہ فاختہ پڑھائی
دمساز تھی وقت خاص اُسکی
کھولا جو وہ بند سحر بنیاد
غصہ غضب اُس پری کو آیا
لوگ اس کو لے چلے جلانے
گذرا اُسی راستے سے ناگاہ
جلنے سے پناہ دیکے اُس کو
بولی کہ یہ چور ہے ہمارا
بولی وہ بکاولی کہ قربان
کیونکر ستم اُس پہ ہوا گوارہ
بولی وہ پھر عبث ہے انکار
سوچی سمجھی رضا خدا کی
دو ساز طرب ملے خوش آہنگ
فردوس سے گھر کو آئی وہ حور
حاصل ہوئی اُن گلوں کو بیچار
بچھڑے ہوئے سب ملیں خدایا

تمت

ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب کشمیری بازار بل روڈ لاہور